اِرادے

نریندر ناتھ سیٹھ

انڈین اکیڈمی لاہور

قیمت عا

ملنے کا پتہ

انڈین اکیڈمی لوہاری گیٹ لاہور

فہرس

پیش لفظ

بیسویں صدی میں اردو ادب کی شاندار ترقی کے طفیل، ایک ایکٹ کے ڈرامے کوئی نئی چیز نہیں رہے۔ افسانہ، طویل مختصر کہانی، ناول اور بے قافیہ نظم کی طرح ان کا وجود بھی جانا پہچانا ہے، اس لئے ایک شہر میں اجنبی کی طرح انہیں کسی تعارفی تقریظ کی ضرورت نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ موجودہ ادب میں ڈرامہ جس توجہ کا مستحق تھا وہ اُسے نہیں مل سکی۔

روحانیت کے دلدادہ، ہندوستان کی عقیدت مند فضائیں ایسے فنون کے لئے ہمیشہ سے بڑی سازگار رہی ہیں، جو بھگتی اور عبودیت کے سرشار جذبوں کو، صوت یا حرکت کی عکاسی دے سکیں۔ پراچین بھارت نے اسی لئے سنگیت، اور ناچ کو ترقی کی آخری منزل پر پہنچا دیا تھا۔ چونکہ مذہب زندگی کے ہر شعبے پر پوری طرح سے حاوی تھا۔ اس لئے ان کا ارتقا بھی مذہب کی آغوش میں ہوا۔ اور جب یہ فنون کلچر میں رچے، اور شعر و ادب نے انہیں اپنی عکاسی اور ادائیگی کا ضامن ٹھہرایا تو ڈرامے کا رواج ہوا...... چنانچہ تمثیل کی نیرنگیاں، قدیم ہندوستان کے تمدن کا ایک ضروری جزو بن گئیں ——————

صدیوں بعد، دو قوموں کے ملاپ سے اردو وجود میں آئی، پروان چڑھی، تو قیصر باغ کی الف لیوی فضاؤں نے، ناٹک کے اردو روپ نے جنم لیا۔ اس ڈرامے کی اسٹیج، قیصر باغ کی صاف شفاف روشیں اور عالی شان ایوان تھے۔

میک اپ، عمّان کے خوش آب موتیوں کی خاکستر تھی۔ لباس، ڈھاکے کی تنزیب بنارس کی جامدانی اور کاشان کی مخمل مہیّا کرتی تھی۔ سازوسامان جواہر نگار تھا۔ روشنیاں کافوری شمعیں تھیں۔ موسیقی کا التزام سونے کے سازوں کا تھا۔ اور ناٹک چاہے "رہس" ہو یا امانت کی "اندرسبھا"، ہیرو آزاد ہندوستان کی فرد عجیب وغریب شخصیّت تھی، جو تخت پر، سلطانِ عالم، محمّد واجد علی شاہ بہادر، شاعری میں اختر، ٹھمریوں میں اختر پیا، اور چاہنے والوں کے لئے جانِ عالم کے ناموں سے مشہور تھی۔

۱۸۵۷ء کے خونیں ڈرامے کے بعد تھیئٹر کو یکایک عروج ہوا۔ پارسیوں کے سرمائے اور شمالی ہند کے بعض رنگین مزاج رئیسوں کی جاگیروں نے، ہندوستانی اسٹیج کو ترقی دی۔ اور اسٹیج کے لئے ترجموں، طبعزاد اور مختار ڈراموں کی بھرمار ہوتی۔ ڈرامہ اِس زمانے میں بالکل تجارتی ہو کر رہ گیا۔ مکالمہ کی ادائیگی اور بولنے کی ایک خاص طرز، جسے شاندکاوس جی کھٹاؤ نے رواج دیا تھا۔ اِس بات کی مقتضی تھی کہ زبان وبیان۔ اور پلاٹ ایک خاص قسم کا ہو جس میں، ظرافت، گلے بندھے اصول کے ماتحت ہو۔ المیہ خاص ڈھب کا ہو، اور نقطۂ عروج کا جوش وخروش بھی مخصوص طرح کا ہو، اِن تجارتی اور فنّی پابندیوں نے ہندوستانی ڈرامے کو ایک ایسی چیز بنادیا جس کا زندگی سے براہِ راست کوئی تعلّق نہ تھا۔ ڈرامے ادب اور زندگی سے ہٹ کر، تفریح کا ایک ذریعہ بن گئے۔ یہ ایسے ہوائی قلعے، اور بیداری کے سپنے تھے۔ جو دیکھنے والوں کی ناکامیوں کو نفسیاتی تضلیل (PROJECTION) کا سہارا دے کر، کامرانی، عیش، حکومت اور اختیار کی آغوش میں آسودہ کرتے تھے۔

ہندوستانی اسٹیج کا یہ دور بہت سی باتوں میں، سولھویں صدی کے انگریزی اسٹیج اور ڈرامے سے ملتا ہے۔ جس طرح اُس اسٹیج پر ایک ایکٹ کے ڈرامے کو باریابی نہ ہوسکی، اُسی طرح ہماری اسٹیج، (اور ادب) اس صنفِ ادب سے خالی رہے۔

انیسویں صدی میں، انگلستان کی اسٹیج پر، ایک ایکٹ کے چھوٹے چھوٹے ڈرامے ادنےٰ مجرئی کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ یعنی، اصل ڈرامے کا پردہ اُٹھنے سے پہلے، یا ایک ایکٹ کے اختتام اور دوسرے ایکٹ کی ابتدا کے درمیانی وقفے میں، ان کی پیش کش شروع ہوئی۔ ہمارے ہاں، ان کا بدل، نقلیں، ٹھٹھول، اور مزاحیہ اسکیچ (پُرانے اسٹیج ڈرامے کے لفظوں میں "چھوٹا کومک") تھے۔

بیسویں صدی نے اردو میں مختصر کہانی، اور جدید ناول کو رواج دیا، مگر بیسویں صدی کا اردو ادب، ڈرامے کے وجود سے قریب قریب تہی دامن ہوگیا اسکی وجہ یہ تھی کہ اردو ڈرامہ، جسے تجارتی ضرورتوں نے جنم دیا تھا، اور جس نے ادب اور زندگی سے ہمیشہ دُور کا ناطہ رکھا۔ فلم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے ختم ہوگیا۔ سٹیج رخصت ہوئی، تو ڈرامے کون لکھتا، اور پھر اس کے نئے روپ یعنی ایک ایکٹ کے ڈرامے کو کون اپناتا؟ —— یہی وجہ ہے کہ جب نئی نئی ادبی تحریکوں اور تجربوں کے زیر اثر اردو میں، ایک ایکٹ کے ڈرامے لکھے گئے تو، پڑھنے والوں اور دوسرے قدر والوں نے، انھیں زیادہ پذیرائی سے نہیں نوازا اور جس توجہ کے یہ مستحق ہیں انہیں ابھی تک نہیں مل سکی۔

میں سمجھتا ہوں، اردو میں، بڑے ڈراموں، اور ایک ایکٹ کے ڈراموں

کو اس وقت ان کا صحیح درجہ نہیں مل سکے گا، جب تک ہندوستان میں سٹیج کو دوسری زندگی نہیں ملتی۔ ڈرامہ، چھاپے کی سیاہی کا محتاج نہیں، ادائیگی اور اظہار کا محتاج ہے، اسی میں اُس کے اصل جوہر کھلتے ہیں اور اسی کے ذریعے وہ اپنی روح کو، پبلک کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ اس اعتبار سے ایک ایکٹ کے ڈرامے، اس وقت تک ہماری عام زندگی اور ادب سے قریب نہ ہو سکیں گے جب تک انگلستان کی طرح یہاں بھی ایسے تھیٹر ڈبلن جیسے Repertory تھیٹر رواج نہ پائیں، یا روس کی طرح جنتا ناٹک گھر نہ کھولے جائیں۔ جہاں تک ریڈیو کا تعلق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُس نے موجودہ لکھنے والوں کو پھر سے ڈرامے کا شوق دلایا، اور ڈراموں کو اپنے پروگراموں کی ایک مستقل شق قرار دے کر، بڑی حد تک اردو ڈرامے کے ادبی قالب میں نئی زندگی پیدا کی۔ پھر بھی وہ اپنی فنی تحدیدوں کی وجہ سے ڈراموں کا پورا حق ادا نہیں کر سکا۔ ریڈیو بلبل کی طرح، فقط "آواز" تک ہی محدود ہے، اور ڈرامے کے لئے آواز اور رنگ (یعنی بقول عارفِ ہندی بلبل اور طاؤس) دونوں کی ضرورت ہے!!

اب تک جو کچھ لکھا گیا، اُس کی حیثیت ایک اعتذار کی سی ہے جو اردو ڈراموں کے ایک نئے مجموعے کے تعارف کے لئے ضروری سمجھا گیا آپ اسے ایک ایسی وجہ جواز سمجھ لیں، جو، ادب میں ایک بڑی حد تک نامقبول صنف کے تعارف کے لئے پیش کی گئی۔ مگر اس اعتذار اور جواز کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ جن تجربوں کے سلسلے میں ان کی ضرورت پیش آئی۔ کچھ باتیں اُن کے متعلق بھی عرض کر دی

جائزہ

ان ڈراموں میں آپ کو، روائتی معنوں میں، واضح طور پر مکمّل پلاٹ عروج اور زوال کے مدارج یا پوری پوری کردار نگاری نہیں ملے گی۔ اسکی وجہ ایک ایکٹ کے ڈراموں کے فنّی تقاضے ہیں۔ ایک ایکٹ کے ڈرامے، بڑے ڈراموں سے اُسی طرح مختلف اور مماثل ہیں جس طرح، ناول، مختصر کہانی سے عام نظمیں، ترجیع بند، ترکیب بند، مرثیوں اور مثنوی سے یا ٹھمریاں، دھرپد اور خیال سے مختلف بھی ہیں، اور مماثل بھی —— اختصار، ایک ایکٹ کے ڈراموں کی جان ہے، یہ ڈرامے، پلاٹ کے تمام عوامل اور عواقب، پیش منظر، اور پس منظر، اور دوسری جزئیات کا بوجھ نہیں برداشت کر سکتے۔ مکالموں میں غیر ضروری باتیں، لمبی چوڑی تقریریں اور دوسرے زوائد کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اسی طرح کرداروں کو، اپنا پورا کیرکٹر اُسکی بڑی اور چھوٹی خصوصیتیں دکھانے کا وقت نہیں مل سکتا۔ یہ ڈرامے ایک چھوٹی سی کیفیت، کوئی واحد احساس یا واقعہ ہی تمثیل کرتے ہیں۔ اس لئے مکالموں میں سیدھی سادی اور ضروری باتوں کا ہی امکان ہے، کرداروں کو بھی اپنی فطرت اور کیرکٹر کے کسی ایک خاصے یا پہلو کے دکھانے کا ہی موقع ملتا ہے جو، پلاٹ کی تمثیل کے لئے اہمیت رکھتا ہے۔

یہ فنّی قیود، تقاضا کرتی ہیں کہ آپ، کسی واحد احساس ایک واقعے یا ایک کیفیت ہی سے سروکار رکھیں، اُسکی تمثیل ہو گئی تو کھیل ختم ہوا، یہی وہ چیز ہے جس کا ان ڈراموں میں خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔

پلاٹ کے مرجع و منبع، یہ واحد احساس، واقعات، یا کیفیتیں، ایسی ہیں جو ہماری آپ کی زندگی سے بہت قریب ہیں، ان میں نوجوان دل کی آدرشی چاہتیں، اور خیالی محبتیں ہیں، جن کے کسی ایک پہلو یا واقعے کو تمثیل کر دیا گیا ہے۔ ان میں ذہین مگر بھوکے نوجوانوں کی کسی ایک مشکل، یا کسی ایک تلخ احساس کو ناٹک کے منظر یہ، اور اُس کی بول چال اور حرکات میں سمو دیا گیا ہے۔ یا کسی ایسی، نفسیاتی اُلجھن کو خاص موقعے اور خاص وقت پیدا کر کے، ناٹک کا روپ دے دیا گیا ہے جو کسی کردار کی زندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔

یہ ساری عکاسیاں، اُن مکالموں کے بل بوتے پر کی گئی ہیں جو دیکھنے میں بالکل سیدھے سادے ہیں۔ اِن میں زبان و بیان کی آرائشوں کو دخل نہیں اور زورِ کلام کا کہیں پتہ نہیں۔ لیکن مکالموں کا ہر فقرہ، اپنی جگہ اہم ہے، ضروری ہے، اور پلاٹ اور کردار کا ایک ضروری حصّہ ہے۔ یہی بات، اِن ڈراموں کی جان ہے۔ یہ خوبی اس وقت کھلتی ہے جب ان ڈراموں کو پڑھنے کی بجائے سُنا جائے، یا خود کیا جائے۔ کیونکہ اُسی وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر ان سیدھے سادے فقروں نے اداکاری کے کتنے جادو اپنے اندر چھپا کر رکھے ہیں۔ اور اِن میں طرزِ ادا کی کس قدر گنجائشیں پنہاں ہیں۔ یہی حال، اِن ڈراموں کی نہایت مختصر اور آسان سنگ اور مکالمے کی ہدایتوں کا ہے جو بادی النظر میں معمولی، اور آسان اور بعض جگہ غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

اِن ڈراموں کی ایک بڑی فنی خوبی یہ بھی ہے کہ انہیں سے اکثر اسٹیج پر بھی اُسی کامیابی سے کھیلے جا سکتے ہیں جس طرح ہوا کی لہریں اُنہیں ہمارے آپ کے

کانوں تک پہنچا سکتے ہیں ——— میرا ذاتی تجربہ اِس سلسلے میں، کھیل "تصویر کی محبّت" کی شہادت پیش کرے گا۔ اس کے سٹنگ اور منظر کے لئے کافی عمدہ اور جدید قسم کی اسٹیج کی ضرورت ہے، جو پس منظر کے تاثّرات، مثلاً سیڑھیوں پر چڑھنے کی آواز، وغیرہ سے بھی لیس ہو، اِس ڈرامے میں سین کی تبدیلی کے لئے اچھی ہدایت کاری اور اچھی سکیم چاہیئے ——— مگر ریڈیو پر یہی کھیل بڑی کامیابی سے کھیلا گیا۔ سٹنگ، پس منظر، اور سین شفٹ، کرداروں کی حرکات اور اُن حرکات کا مکالمے کے ساتھ تقابل، اور مطابقت ایسی چیزیں تھیں، جو آسانی سے یا تو ترک کر دی گئیں یا، آواز، لہجے کے اُتار چڑھاؤ اور صوتی زیروبم میں عمدگی سے ظاہر کی گئیں ——— اِسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ پلاٹ کی تمام جزئیات اور تفصیلات، مکالمے میں کھلتی گئیں اور مکالمہ سُننے والوں کو باقی چیزوں کے فرض کر لینے، اور اُن کی موجودگی سے مفاہمت کر لینے کی گنجائش مہیّا کرتا رہا۔

یہی ڈرامہ اگر سٹیج پر پیش کیا جائے، تو اس کا حسُن دوبالا ہو جائے گا، کیونکہ وہ باتیں، جو ہوا کی لہروں پر صرف لہجے کے اتار چڑھاؤ۔ مائیکروفون سے قربت اور دُوری۔ یا صوتی زیروبم سے ظاہر کی گئیں، ان کے ساتھ، ہاتھوں کی جنبش، تیوری کے بل، چہرے کے تاثّر اور دوسری حرکتیں بھی، مکالمے، کی مطابقت کرتیں۔ اِس کے روشنیوں اور سین شفٹ کے معقول انتظام سے، کھیل کے تسلسل پر ایسا اچھّا اثر ڈالا جا سکتا ہے، جو ریڈیو پر کسی طرح ممکن نہیں، کیونکہ ریڈیو میں، ایسے موقعوں پر خاموشی کے وقفے یا آرکیسٹرا کے ٹکڑے ہی سین کی تبدیلی یا وقت

کے گزرنے کا احساس دلانے کے لئے چسپاں کئے جاتے ہیں ؛

کاغذ پر چھپے ہوئے لفظوں میں جکڑے ہوئے یہ ڈرامے آپ کے سامنے ہیں' ان کی روح کی آزادی کا میدان یعنی اسٹیج آپ کے سامنے نہیں - اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر انہیں پڑھنا ہے تو کہانی یا ناول کی طرح بیکاری کا مشغلہ، یا نیند کے انتظار میں انہیں پڑھنے سے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا - انہیں پڑھیئے ، اور عملی طور پر ، یا تصوّر کی وسعتوں میں ادائیگی کا موقع دیجئے - آپ کے دل کی دھڑکنیں ، بھولی بسری یادیں اور خیالوں کی گدازی ، ان کے خاکوں میں رنگ بھرے گی - آپ کی روح کی جنبش ، ان کے نہفتہ معنوں کو آشکار کرے گی ، صرف اُسی وقت ان کے جوہر کھلیں گے !! کیونکہ ــــــــــــــــ

پیشِ ما آئی ہ دلے گرمے ، دمے سرد بیار
جنبش اندر نُشست ، اندر نغمۂ داؤد نے

محمد صدیقی

ایک ایکٹ کے ڈرامے

ڈراما نگاری ایک قدیم فن ہے اور سماجی اور تمدّنی ماحول کے مطابق اس فن میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ دنیا کے ہر تمدن میں عبرت و نصیحت اور تفریح و تسکین کے لئے ہمیشہ سے قصّوں حکایتوں اور ڈراموں کے کہنے سُننے اور دیکھنے کا رواج رہا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف تمدنوں میں اِن چیزوں نے بھی مختلف صورتیں اختیار کیں۔ موجودہ مشینی معاشرت کے تمدن میں افسانہ نویسی اور چھوٹے چھوٹے ڈرامے لکھنے کا رواج زوروں پر ہوا۔ کیونکہ موجودہ مشینی معاشرت میں عوام الناس کو اپنا بیشتر وقت زندگی کی ضروریات حاصل کرنے میں صرف کرنا پڑتا ہے اس لئے اُن کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ تفریح طبع کے لئے لمبے لمبے ناول پڑھیں یا ساری رات ڈراما دیکھ کر صبح کو پھر روزانہ محنت و مشقّت میں مصروف ہو جائیں۔ انہیں تو تازہ دم ہونے کے لئے روزمرّہ کی مشقّت کی

زندگی میں تفریح کے چند چھینٹے چاہئیں۔

ایک ایکٹ کے ڈرامے کو بھی موجودہ سماجی ماحول میں ہی فروغ حاصل ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں ادب کی اس صنف نے مغربی دنیا میں عام قبولیت حاصل کر لی شروع شروع میں تو ایک ایکٹ کے ڈرامے یورپ میں انگلستان کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں زیادہ کامیاب ہوئے۔ لیکن بعد ازاں انگلینڈ کی سٹیج پر بھی ایک لمبے ڈرامے کی بجائے دو تین ایک ایکٹ کے ڈرامے کھیلے جانے لگے۔ موجودہ معاشرت میں ادب بھی ایک تجارتی جنس ہے۔ جس کی تخلیق یا تخریب مانگ کے بڑھنے یا گھٹنے پر مبنی ہے اور ادب کی کسی شق کے مستقبل کے متعلق رائے قائم کرنے کے لئے اقتصادیات کے اصولوں کو ہی مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔ ان اصولوں کے تحت بہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایک ایکٹ کے ڈراموں کا مستقبل نہایت روشن اور شاندار ہے۔ یہاں تک کہ افسانوی ادب سے بھی زیادہ۔

اس سائنس اور مکینائزیشن کی تہذیب نے فنون لطیفہ کے پردے میں بہت سی دلچسپیوں کا اضافہ کر دیا ہے۔ ہر جا انسانوں کی جگہ مشینوں نے لے لی ہے۔ پہلے ہم انسانی گانا سُنا کرتے تھے۔ اب مشینی گانا سُنتے ہیں۔ پہلے ہم سٹیج پر زندہ انسانی ایکٹروں کے تماشے دیکھا کرتے تھے اب ان کی جگہ فلم کا مسالے سے بنا ہوا جادو پردہ سیمیں پر موجود ہے۔ لیکن سائنس کی ان تمام ایجادات یعنی گراموفون۔ فلمیں ریڈیو وغیرہ کے باوجود انسان اپنی فطرت کو نہیں دبا سکتا۔ اور فن کو اصلی انسانی رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ آج بھی اگر کوئی مشہور اداکار اپنے فن کی نمائش کے لئے سٹیج پر آئے اور اُس کے مقابلے میں کوئی بہترین فلم دکھائی جائے تو لوگوں کا

رجحان زیادہ تر اداکار کی طرف ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی مشہور فلمی اداکار سٹیج پر آکر لیکچر یا گانا یا ناچ سنائے یا دکھائے تو اُس کے سُننے یا دیکھنے کے لئے لوگوں میں از حد اشتیاق پایا جاتا ہے۔ لیلاؤ لیسیائی سٹیج پر زیادہ جاذب ہے۔ بہ نسبت "کپال کنڈلا" فلم میں دیکھنے سے۔ تو فلم میں بھی اداکار انسان ہی دکھائی دیتے ہیں لیکن مشین پر آنے سے اُن کا اصل انسانی پہلو تلف ہو جاتا ہے۔ فلم میں ڈرامائی فن چاہیے اپنے کمال پر کیوں نہ پہنچ جائے وہ اس خوبی سے انسانی کیفیتوں کو بیان نہیں کر سکتا جس طرح ایک انسانی کردار اپنے اصل روپ میں۔ وہ نفسیاتی رابطہ وہ روحانی اور رومانوی شرکت جو ایک ایکٹر اور اس کے سامعین میں ہونی لازمی ہے مفقود ہو جاتی ہے اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح فوٹو گرافی کے باوجود فن مصوری زندہ ہے اُسی طرح اس مشینی تفریح اور مشینی فن کے باوجود ڈرامانگاری اور اس کے لئے سٹیج بھی زندہ رہے گی بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ ایک ایکٹ کے ڈراموں کو زیادہ توسیع حاصل ہوگی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے لئے ایک اور جگہ پیدا ہو رہی ہے یہ نیا میدان ریڈیو ہے۔ ریڈیائی ڈرامے ضرورت کے مطابق صرف ایک ایکٹ پر ہی مشتمل ہو سکتے ہیں بلکہ ان میں تو سین بھی ایک سے زیادہ ہونا قریباً ناممکن ہے ریڈیو کے علاوہ بہت ممکن ہے کہ بہت جلد ٹیلی ویژن کے تجربات بھی مکمل طور پر کامیاب ہو جائیں اُس صورت میں سُننے کے علاوہ ریڈیو سے ہم ڈرامے دیکھ بھی سکیں گے اور چونکہ ٹیلی ویژن کے ڈراموں کی نوعیت وہی رہیگی۔ جو ریڈیائی ڈراموں کی ہے اس لئے ایک ایکٹ کے ڈراموں کی مانگ بہت بڑھ جائے گی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایک ایکٹ کے ڈرامے کی بنیاد آج سے

بہت عرصہ پہلے تھیٹر کی تخلیق کے ساتھ ہی رکھی گئی تھی۔ اُن کے خیال پر ڈراما شروع ہونے سے پیشتر جو ایک چھوٹا سا فارس یا نقل یا مذاحیہ منظر پیش کیا جاتا تھا۔ وہی ابتدائی سین ایک ایکٹ کے ڈرامے کی اوّلین صورت تھی لیکن دراصل جس طرح مختصر افسانوی ادب وقتی ماحول کے مطابق پیدا ہوا۔ اسی طرح ایک ایکٹ کے ڈراموں کی بنیاد بھی وقتی ضرورت کے مطابق رکھی گئی۔ ایک ایکٹ کے ڈرامے نہ تو فارسی سے کوئی مطابقت رکھتے ہیں اور نہ نقل یا مذاحیہ منظر سے۔

ایک ایکٹ کا ڈراما ہر کسی موضوع پر لکھا جا سکتا ہے اس میں طنزیہ۔ طربیہ عشقیہ سماجی۔ کسی بھی موضوع کی قید نہیں۔ اس قسم کا ڈراما ایک پوری کیفیت پر مبنی ہوتا ہے۔ زندگی کے کسی ایک پہلو کی ایک مکمل تصویر۔ اس میں وحدتِ عمل اسی طرح پائی جاتی ہے جس طرح ایک مکمل ڈرامے میں۔ ایک ایکٹ کے ڈرامے کو ایک مکمل ڈرامے کا اختصار نہیں کہا جا سکتا جس طرح ایک افسانہ ناول کا اختصار نہیں ہو سکتا اور جس طرح افسانہ نویسی بذاتِ خود ایک مکمل فن ہے۔ اسی طرح ایک ایکٹ کی ڈراما نگاری ادب کی ایک مستقل۔ اہم اور مکمل صنف ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایک ایکٹ کا ڈراما اور ایک لمبا ڈراما ایک ہی خیال سے متاثر ہو کر لکھا جائے لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کا موضوع ایک ہی ہو۔ لیکن دونوں کی فنکاری میں فرق ہوگا۔ بہت سی تفصیلی اور تمہیدی چیزیں آپ کو ایک ایکٹ کے ڈرامے میں نہیں ملیں گی۔ ایک ایکٹ کے ڈرامے میں پہلے ہی سین میں کہانی کی ابتدا ہو جاتی ہے اور اس کا عروج عام طور پر ڈرامے کے اختتام پر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود کردار نگاری کیفیت نفسی یا وحدت میں کسی قسم کا فرق نہیں ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے پہل ۱۸۸۷ء میں فرانس کی ایک گیس فیکٹری کے ایک ملازم آندرے انتوئن نے اپنے بچے ہوئے چند فرانکس کے محدود سرمائے سے ایک چھوٹا سا تھیئٹر قائم کیا جس میں ایک لمبے ڈرامے کی بجائے دو تین چھوٹے چھوٹے ڈرامے دکھانے کا انتظام کیا۔

فن ڈرامہ نویسی دوسرے فنون سے اس بات میں مختلف ہے۔ کہ یہ زندگی کی عملی، تصویر اور تفسیر ہے۔ نہ کہ بیانیہ۔ ایک افسانہ نویس یا ناول نگار زندگی کے واقعات کو بیان کرتا ہے۔ لیکن ڈرامہ نگار آپ کے سامنے زندگی کو جوں کا توں لے آتا ہے۔ ڈرامہ میں زندگی کا بیان نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں زندگی اپنے اصل رنگ میں دکھائی جاتی ہے۔ چلتی پھرتی بولتی چالتی یا ہنستی روتی، آسودہ یا تھکی ہوئی زندگی زندہ انسانی کرداروں کے ذریعہ آپ کے سامنے اپنی اصلی صورت میں پیش کی جاتی ہے ڈراما میں اگر کردار کچھ بیان بھی کرتے ہیں۔ تو بیان بھی عمل کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ ڈراما زیادہ تر کھیلنے کے لئے لکھا جاتا ہے نا کہ پڑھنے کے لئے۔ بلکہ اگر پڑھا بھی جائے تو ذہن میں ایک سٹیج کا ہونا لازمی ہے۔ ان حالات میں ایک ڈراما نویس کے لئے سامعین اور سٹیج کے تمام لوازم اور رسوم کو مدنظر رکھنا ایک ضروری امر ہے۔ یوں تو ہر ایک ڈرامے میں یہ لازمی ہے۔ کہ ایک منٹ بھی کسی فضول یا غیر ضروری واقعہ یا تفصیل یا کیفیت کو بیان کرنے میں صرف نہ کیا جائے تاکہ سامعین کی توجہ تھوڑی دیر کے لئے بھی کسی اور چیز کی طرف منعطف نہ ہو۔ لیکن ایک ایکٹ کے ڈرامے کی نوعیت ہی ایسی ہے۔ کہ اس میں ضائع ہونے

کے لئے کوئی فالتو وقت بچتا ہی نہیں ۔ ایک ایکٹ کے ڈرامے میں پردہ اُٹھتے ہی پلاٹ کا آغاز ہو جانا چاہیئے ۔ اور اس کے بعد ڈرامہ نویس کی کامیابی اس امر پر منحصر ہے کہ وہ سامعین کی توجہ پوری طرح سے اور پورے وقت کے لئے اپنی طرف مبذول رکھے ۔ ایسا کرنے کے لئے تین باتوں کی بہت ضرورت ہے ۔ سب سے پہلے سامعین کو اُمید و بیم کی حالت میں رکھنا ضروری ہے ۔ لوگوں کو اس بات کا اشتیاق ہونا چاہیئے کہ "اب کیا ہو گا" تماشائی اسی اشتیاق میں اپنے آپ کو یکسر کھو دیں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ڈرامے کے پلاٹ کے متعلق سامعین کی قیاس آرائیاں دُرست ثابت نہ ہوں اور اگلے سین میں جس نتیجہ یا واقعہ کی وہ توقع کرتے ہوں ، دراصل اس کے بالکل برعکس ہو ۔ اور آہستہ آہستہ استعجاب کی مدد سے ان کا اشتیاق بڑھتا جائے ایک ایکٹ کے ڈرامے میں تعجب یا حیرت کا ہونا لازمی ہے ۔ تیسری چیز ڈرامے میں تیاری ہے ۔ حاضرینِ ڈراما ، کردار یا واقعات یا میلان میں کسی قسم کی اچانک تبدیلی گوارا نہیں کر سکتے ۔ ہر ایک موقع کو تبدیل کرنے کے لئے پہلے سے ان کو تیار کرنا چاہیئے ڈرامے کے پلاٹ میں تسلسل کا ہونا لازمی ہے ۔ اس کی ابتدا اور انتہا میں ترتیب کا ہونا بھی ضروری ہے ۔ اصل میں پلاٹ کا مطلب ہے واقعات کی ترتیب ، مناسب سلسلے کے ساتھ ۔ اور ایک ڈراما نویس سُرنگ اُڑانے والے اس مزدور کی طرح جو آہستہ آہستہ اپنا راستہ صاف کرتا ہوا اس جگہ جا پہنچتا ہے ۔ جہاں اُسے ڈائینامیٹ کی ضرورت پیش آتی ہے ۔ اور ڈائینامیٹ رکھ کر وہ بھک سے پہاڑ اڑا دیتا ہے ۔ ڈرامے میں یہ مقام عروج یعنی کلائی میکس

کہلاتا ہے۔ اور ایک ایکٹ کے ڈراموں میں عروج اختتام کے سوا اور کسی مقام پر نہیں آسکتا) ایک کامیاب ڈرامانویس کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اس مقام تک گومگو کی حالت قائم رکھے ایک ایکٹ کے ڈراموں میں عام غلطی ہوتی ہے۔ کہ بہت سے مصنّفین وقت کا بیشتر حصّہ کردار نگاری یا کسی اور "تفصیل" میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد جب اُنہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ڈرامے کا اختتام نزدیک ہے۔ تو وہ ایک غیر مکمّل اور غیر معقول عروج پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں وہ بہت بُری طرح سے ناکام رہتے ہیں اس طرح ڈرامے میں متناسب اور وحدت تلف ہو جاتی ہے وحدت کا وجود ہر ڈرامائی پلاٹ میں نہایت ضروری ہے۔ ہیرو یا کسی اور کردار کی وحدت نہیں بلکہ عمل کی وحدت یعنی سادے اعمال کو ایک مرکزی عمل کے گرد گردش کرنا اور انہیں عملی طور پر اس خاص بنیادی عمل سے وابستہ ہونا چاہیئے۔ اس کو وحدت عمل کہتے ہیں۔

ایک ایکٹ کے ڈرامے میں سب سے مشکل کام کردار کو قائم کرنا ہے۔ ایک لمبے ڈرامے میں ہر ایک کردار کو کافی وقت ملتا ہے۔ کہ وہ اپنا تعارف حاضرین سے کرائے اور اپنی شخصیت ان پر اچھی طرح سے واضح کر دے لیکن ایک چھوٹے ڈرامے میں اگر وہ اپنا تعارف کرانے میں دیر کر دے تو باقی پلاٹ کے مناسب انکشاف کے لئے وقت نہیں بچتا اور توازن ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے عام طور پر ایک ایکٹ کے ڈراموں میں کردار کو سٹیج پر

آتے ہی اپنا تعارف کروا دینا چاہئیے تاکہ سامعین کو معلوم ہو جائے کہ پلاٹ کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کردار کے سٹیج پر وارد ہونے سے پہلے ہی سامعین اس کو دیکھنے کے لئے اس قدر بے تاب ہوتے ہیں۔ کہ اُسے اپنا تعارف کرانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

ایک ایکٹ کے ڈرامے میں زندگی کے مختلف تضاد اور اختلاف کو پیش کرنا بھی ضروری ہے۔ اُس کے لئے تصادم یا کشمکش کا ہونا لابدُد ہے۔ لمبے ڈراموں میں چیخوف نے چند ایسے کامیاب ڈرامے لکھے ہیں۔ جن میں تصادم نام کو بھی نہیں ملتا۔ لیکن ایک ایکٹ کے ڈراموں میں یہ بات قریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ جدید ڈرامانگاری میں ایک اہم خصوصیت واقعیت بھی ہے۔ عصرِ جدید کے ڈرامانگار زندگی کے مسلوں سے بحث کرتے ہیں۔ اور اس کی سچی تصویر کھینچتے ہیں۔ اور یوں اُنہیں زندگی کی کشمکش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پھر انسان اور سماج کا تصادم۔ انسان اور ماحول کا تصادم۔ ایک خاص جماعت کا دوسری جماعت سے تصادم۔ عقائد اور اصول کا تصادم۔ انسان کے متضاد رجحانات کا تصادم وغیرہ وغیرہ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

ایک ڈرامانگار کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ زندگی کی کشمکش کے مختلف پہلوؤں کو اچھی طرح سے واضح کرے۔ چونکہ ایک ایکٹ کے ڈرامے میں ایک وقت میں صرف ایک ہی پہلو نمایاں کیا

جا سکتا ہے۔ اس لئے اس میں تصادم یا کشمکش کا ہونا ضروری ہے۔

ایک ایکٹ کے ڈرامے میں تمہید ایک غیر ضروری عنصر ہے۔ شیکسپیئر اپنے ڈراموں کی ابتدا کسی دہشت انگیز سین سے کیا کرتا تھا۔ اس کا ڈراما "طوفان" جہاز کی تباہی کے منظر سے شروع ہوتا ہے اور ہملٹ میں ابتدائی سین کا آغاز ایک بھوت سے ہوتا ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ ایک ایکٹ کے ڈرامے بھی دہشت انگیز منظر سے شروع کئے جائیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ سامعین میں پہلے ہی منظر سے دلچسپی پیدا ہو جائے اور آخری منظر تک قائم رہے۔ آپ جس واقعے، حقیقت یا صورت حال کا انکشاف ڈراما میں کرنا چاہتے ہیں وہ جلد از جلد حاضرین کے سامنے آجانا چاہیئے اور اس کے انکشاف میں اس کی دلچسپی آخر تک قائم رہنی چاہیئے۔

مکالمہ ڈرامے کی جان ہوتا ہے اور ایک ایکٹ کے ڈرامے کا تو پلاٹ بھی مکالمے کے ذریعے ہی سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس لئے مکالمہ لکھنے میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ بعض مصنفین مکالمے سے عمل کا کام لینا چاہتے ہیں۔ لیکن مکالمہ کسی بھی صورت میں عمل کا بدل نہیں ہو سکتا۔ دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ مکالمہ لکھنے سے پیشتر اس بات کا خیال ہونا چاہیئے کہ آپ کے ڈرامے کا پلاٹ ایک سڑک کے نقشے کی طرح ہے اور مکالمہ ایک سچے رہبر کی طرح سامعین کو راستہ بتا رہا ہے اور ہر رہبر کا کام ہے کہ سفر کو دلچسپ بنانے کی کوشش کرے، صحیح راستہ بتائے اور راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ کرے۔ مسافر کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور وہ ہر منزل پر یہ پکار اُٹھے۔

"کتنا دلکش منظر ہے مجھے اس کی ہرگز امید نہ تھی۔"

ایک ایکٹ کا ڈراما لکھتے وقت ڈرامے کا اختتام ضرور نظر میں ہونا چاہئے تاکہ مناسب تسلسل قائم رہ سکے۔ بعض حالتوں میں دیکھا گیا ہے کہ بعض ڈراموں کی ابتدا تو نہایت شاندار، دلچسپ اور فنّی نقطۂ نگاہ سے بہترین ہوتی ہے۔ لیکن اُن کا اختتام اُن کی تمام خوبیوں کو مٹا دیتا ہے۔

ایک ایکٹ کے ڈراموں میں عام طور پر ایک ہی سین ہونا چاہیئے اور کرداروں کو بار بار لباس تبدیل کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہونی چاہئے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ایک ایکٹ کے ڈرامے صرف ایک ہی سین پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔ دو یا تین سین میں بھی اچھے چھوٹے ڈرامے لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنے میں ڈراما نویس کو فن پر پوری طرح حاوی ہونے کی ضرورت ہے۔

ایک ایکٹ کے ڈرامے کی فنّی اور ادبی سربلندیاں دیکھنی ہوں تو ایک ایکٹ کے چند مغربی ڈرامانگاروں کے شاہکار پڑھنے چاہئیں۔ چند مغربی ڈرامانگاروں کے نام یہ ہیں:۔

امریکن ڈرامانگاروں میں ڈنسانی (dunsaly)، یوجن نیل (Eugeon o. neil)، جارج مڈلٹن (George midelton)، پرسیول وائیلڈ (Percival wilde) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان مصنفین کے ڈرامے ٹیکنیک کے لحاظ سے بہترین شمار کئے گئے ہیں۔ فرانس جرمنی وغیرہ کے بہترین ایک ایکٹ کے ڈرامانگار جن کے شاہکار انگریزی میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے چند، فرانسس ڈی گرل (Francis De carel)

پال ہروِیو (Paul Herveill) لیوِیڈان (Leveden) رومان رولان (Romain Roland) الفریڈ کاپس (Alfred capus) وِیڈ کائینڈ (Wede Kind) شنزلر (sehizler) اور آرنسٹ ٹرولر (Trallar earnst) قابلِ ذکر ہیں۔ انگریزی میں اے اے ملنے (A.A. Milne) ہیرالڈ برگ ہوس (Herold Brig house) ہرلیڈ روبنسٹین (Herold Rubinstine) جے ٹالباٹ (J. Talbot) جے۔ ایم۔ باری (J.M. Barry) اور کلفرڈ بکیس (califfard Bax) عصرِ جدید کے بہترین ڈراما نویس ہیں۔

ہندوستان میں فنِ ڈرامہ واداکاری ہزارہا سال قبل اپنے عروج پر تھا۔ آریہ تہذیب سے بھی پہلے جنوبی ہند میں دراوڑی تہذیب کے عروج کی یادگار آج بھی "کتھا کلی" کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ہندوستانی ڈراموں کی روشن تاریخ میں آج بھی کالی داس اور بھوبھوتی زندہ ہیں اور اُن کا فن بھی ابد تک زندہ رہے گا۔ لیکن آج اُسی ہندوستان میں ڈرامائی ادب پستی اور انحطاط کے گڑھے میں گر گیا ہے نہ تو اُس میں سنسکرت ڈرامے کی خوبصورت روایات ہیں اور نہ جدید ڈرامانگاری کی خوبیاں۔ ہندوستانی ڈراما یا تو مغرب کے فن کاروں کے ترجمے پر محدود ہے یا تواریخی اور مذہبی نقلوں پر جن کو ادبی زبان کا لباس پہنا کر ڈرامے کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اُردو زبان میں تو ڈراما نویسی ابھی عالمِ طفلی میں ہے اور کوشش کے باوجود معیاری ڈرامے بہت کم ملتے ہیں۔ دورِ اوّل کے ڈرامانگار جو زیادہ تر تین

یا چار ایکٹ کے ڈرامے لکھتے تھے۔ مثلاً ناظر بیگ۔ رونق بنارسی۔ احسن لکھنوی بیتاب دہلوی۔ آغا حشر کاشمیری وغیرہ۔ وہ مختلف تھیٹریکل کمپنیوں کے ساتھ وابستہ تھے اور شاید تمثیل کی فنی خصوصیات سے بالکل ناواقف تھے۔ اُن کے ڈراموں کا معیار ان کی مالک کمپنیاں اپنے تجارتی اور دوسرے ماحول کے مطابق مقرر کرتی تھیں اور اُن کا موضوع زیادہ تر مذہبی روایات یا عشقیہ اور تواریخی حکایات تک ہی محدود تھا۔ ان ڈرامانویسوں میں سے آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے مقبول عام ہوئے اور کئی لوگ تو حشر کو انڈین شیکسپیر کے نام سے ہی یاد کرنے لگے۔ لیکن فن کے لحاظ سے اُن کے ڈراموں کا معیار بلند نہ تھا اردو ڈرامانویسی کے دورِ اوّل کے متعلق ایک علیحدہ فنی اور تواریخی مقالے کی ضرورت ہے لیکن اس وقت تو زیرِ بحث موضوع "ایک ایکٹ کے ڈرامے" ہیں

ایک تو اردو ادب میں معیاری ڈرامے ویسے ہی بہت کم ہیں لیکن ایک ایکٹ کے ڈرامے تو تقریباً نایاب ہیں۔ اب کچھ عرصے سے ریڈیو کی سرگرمیوں کی وجہ سے چند ریڈیائی ڈرامے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ لیکن سُنا جاتا ہے کہ ریڈیو والوں کو بھی یہی شکایت ہے کہ انہیں اُن کے مطلب کے ڈرامانویس ملتے ہی نہیں اور اس لئے انہیں بار بار صرف چند اشخاص سے استدعا کرنی پڑتی ہے کہ "برائے خدا ہمارے لئے ڈرامے لکھئے" اور اسی وجہ سے انہیں چند محدود ادیبوں کے قلم سے انگریزی ڈراموں کے چربوں یا ترجموں پہ ہی اکتفا کرنی پڑتی ہے"

اردو میں ایک ایکٹ کے جو ڈرامے لکھے گئے ہیں وہ زیادہ تر انگریزی یا دوسری مغربی زبانوں سے اخذ شدہ ہیں بعض مصنفین تو بیانگ دہل اس

بات کا اعلان بھی کر دیتے ہیں کہ یہ ہمارا طبعزاد ڈراما نہیں بلکہ فلاں انگریزی یا کسی اور مصنف سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ لیکن بہت سے حضرات تو اُسے مقامی رنگ دے کر بالکل اپنا بنا لیتے ہیں۔ ریڈیو سے بھی جو ڈرامے نشر کیے جاتے ہیں ان میں سے اکثر ڈرامے اخذ شدہ ہی ہوتے ہیں۔

اگر کہیں کوئی طبعزاد ڈراما مل بھی جائے تو وہ فن کاری کے لحاظ سے ناقص ہوتا ہے اور عام طور پر اُس کے پلاٹ کا مرکزی موضوع ایک ہی ہوتا ہے۔

مذہبی۔ تواریخی اور عشقیہ ڈراموں کے علاوہ ایسے ڈرامے بھی موجود ہیں جن میں نیکی اور بدی فرض اور محبت یا کردار اور مافوق الفطرت کا تصادم دکھایا گیا ہو۔ ان کے علاوہ اور کسی موضوع پر اردو زبان میں ڈرامے نہیں لکھے گئے مثال کے طور پر فضل حق قریشی جن کے اکثر ڈرامے دہلی ریڈیو سٹیشن سے نشر ہو چکے ہیں۔ اُن کے ڈراموں میں جو کشمکش دکھائی گئی ہے۔ زندگی میں بہت کم موجود ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات تو آپ نے خارجی عمل اور روحانی تاثرات سے ڈرامے کو بالکل ناقابلِ یقین بنا دیا ہے۔ آپ کے چند ڈراموں میں مقام عروج بھی موجود نہیں ہوتا اور وہ محض ایک مکالمہ بن کے رہ جاتے ہیں۔

انصار ناصری کے ڈرامے فن کاری کے لحاظ سے بہت اچھے ہیں لیکن پلاٹ میں اُن کے بھی یہی خامی ہے۔ ہندوستانی زندگی میں جو تصادم اور مصنفوں کے لئے جو خام مواد موجود ہے۔ اُس کا فائدہ ناصری صاحب نے نہیں اٹھایا اور اگر اٹھایا بھی ہے تو بہت کم۔ شاید اس لئے کہ اصل واقعیت کی زندگی ریڈیو والوں کو نہیں بھاتی اور ادب کی تخلیق اسکی مانگ پر مبنی ہے،

امتیاز علی صاحب تاج کے قلم میں روانی ہے اور وہ ڈرامے کی ٹیکنیک پر بھی خوب حاوی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کے زیادہ تر ڈرامے انگریزی یا کسی اور زبان سے ہی اخذ شدہ ڈرامے ہیں۔ کاش کہ وہ اردو میں طبعزاد ایک ایکٹ کے ڈرامے لکھنا شروع کریں۔ ادب اُن کی اس خدمت کا احسان مند رہے گا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ڈرامانویس ہیں جن کا نام ریڈیو سٹوڈیو کی حدود سے باہر نہیں آیا اب کئی افسانہ نویسوں نے ڈرامانگاری کی طرف رجوع کیا ہے۔ لیکن اُنکے ڈراموں میں بھی افسانوی عنصر غالب ہے بلکہ اُن میں سے اکثر تو مصنفین کی "ترقی پسندی" میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔

آج تقدیر کی حکومت کا زمانہ نہیں۔ آج انسان نے وہ کچھ کر دکھایا ہے؟ اب سے دو ہزار یا ایک سو سال پہلے وہ اُس کا خواب بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ چیزیں جو انسان کے لئے پُر اسرار تھیں اور جنہیں وہ کسی مافوق الفطرت قوت کے ساتھ وابستہ کیا کرتا تھا۔ آج پر اسرار نہیں ہیں۔ اُن کی اصلیت آج انسان پر ہویدا ہو گئی ہے اور وہ عقدے جو تقدیر کی پُر اسرار تاریکیوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ آج انسان نے خود حل کر لئے ہیں۔ آج سائنس کی دنیا میں ہمیں تقدیر کی دنیا کے سحر اور جادو معجزہ اور دعا اور بد دعا سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہمارے پیش نظر صرف انسان ہے اور اس کی کمزوریاں اور استواریاں۔ اس لئے ڈرامے میں بھی بنیادی تصادم انسانی نفس کے مختلف پہلوؤں میں یعنی کردار کے رجحانات اور احساسات کے درمیان ہونا چاہیئے۔ یا دوسرے الفاظ میں اصلی کشمکش انسان اور اس کے ماحول کے درمیان ہونا ٹھیک ہے بلکہ موجودہ فن

ڈرامانگاری کے متعلق تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ خارجی حرکت کا اس میں بالکل فقدان ہو اس لئے ہندوستانی ڈرامانگاروں کے لئے بھی یہ لازمی ہے کہ وہ بجائے قدرت اور قسمت کو مخاطب کرنے کے زندگی کے مسائل کا اصل حل ڈھونڈنے کی کوشش کریں اور اخلاقی اور نفسیاتی مسائل کی دنیا میں خارجی دنیا کا بدل تلاش کریں۔ اس صورت میں وہ ہندوستان میں فن ڈرامانگاری کی توسیع کر سکتے ہیں۔

ایک ایکٹ کے ڈرامے تھوڑے ہی عرصے میں یورپ اور امریکہ کی سٹیج پر قابض ہو گئے۔ باوجود اس بات کے کہ وہاں فن فلم سازی ہندوستان سے کہیں بہتر اور وسیع پیمانے پر ہے۔ لیکن ہندوستان میں جب سے پردہ سیمیں پر فلمیں وارد ہوئیں تھیٹر ختم ہو گیا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک تو فنی لحاظ سے فلمیں (جو امریکہ اور یورپ سے بھی درآمد ہوتی ہیں) بدرجہا بہتر ہیں اور بتدریج ترقی کر رہی ہیں اور دوسرے ہندوستانی سٹیج لمبے ڈراموں کا بدل پیش نہ کر سکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈرامے کھیلنے کا رواج قریباً قریباً بند ہو گیا ڈراموں کی مانگ نہ رہی اور اس وجہ سے ہندی یا اردو میں فن ڈرامانویسی کو فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ جب کسی چیز کی مانگ ہی نہ ہو تو اس تجارتی نظام میں اس کو فروغ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ آج کل وہ زمانہ نہیں کہ ادیب چند امرا کو خوش کرنے کے لئے لکھتے جائیں اور اُن کے ٹکڑوں پر پڑے رہیں۔ آجکل ادیبوں کو اپنی شکم پروری بھی کرنی ہے اور ڈرامے (جو کھیلنے کی چیز ہے لیکن اُس کے لئے سٹیج موجود نہیں ہے) اُن کی اس پہلو میں مدد نہیں کرتے۔ لیکن

ریڈیو کے آنے سے حالات کچھ امید افزا ہو رہے ہیں اور ممکن ہے کہ سائنس کی اس ایجاد کی وجہ سے ہندوستان میں بہترین ڈرامے لکھے جا سکیں۔ اور موجودہ مغربی ڈرامانگاری اور قدیم سنسکرت ڈرامے کی روایات کے امتزاج سے وہ فن پیدا کیا جا سکے جو ابسن اور برنارڈ شا سے کہیں بڑھ کر ہو۔

لیکن اس کے لئے محض ریڈیو ہی کافی نہ ہوگا۔ ایک تو ریڈیو سیاسی پروپگنڈا کی قید سے آزاد نہیں اور وہ ایک سرکاری محکمہ ہونے کی وجہ سے ادب کی اتنی خدمت نہیں کر سکتا۔ دوسرے ریڈیائی ڈرامے اور سٹیج پر کھیلے جانے والے ڈرامے میں کافی فرق ہوتا ہے۔ ایک محض سننے سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا دیکھنے سے۔ اس لئے ڈرامانگاری کو فروغ دینے کے لئے سٹیج پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اردو ڈرامانگاری کو عالم طفلی سے عالم جوانی تک لے جانے کے لئے ہندوستانی سٹیج کا ہونا لازمی ہے۔ ڈراما اور سٹیج لازم و ملزوم ہیں اور ایک کے بغیر دوسری چیز بے معنی ہے۔ ہندوستانی سٹیج پیدا کرنا تجارتی نقطۂ نظر سے بھی کوئی گھاٹے والا سودا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی کلب کسی انگریزی یا انگریزی سے اخذ شدہ ڈرامے کو سٹیج کرے تو لوگ اسے دیکھنے کے لئے بے قرار ہوتے ہیں اور بہتوں کو ہال بھر جانے کی وجہ سے ناکام لوٹنا پڑتا ہے اور یوں بھی تو تفریح طبع کے لئے سینما یا ڈانگل کافی نہیں ہندوستانی زندگی ابھی مکمل طور پر ایک سوشل زندگی نہیں بنی لیکن سوشل زندگی بنا چاہتی ہے اور ہندوستانی سٹیج اسے اس معاملے میں

کافی مدد دے سکتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر چند مصنّفین خود ہی یہ خدمتِ ادب بجا لائیں۔ اور خود ہی ہندوستانی ڈرامے کے لئے سٹیج بنا ڈالیں۔ وہ خود کچھ ایسے کلب قائم کریں جو ایک ایکٹ کے ڈرامے سٹیج کرے۔ اس سے ایک تو وہ اپنا صحیح مفہوم سٹیج کے ذریعے سے پیش کر سکیں گے اور دُوسرے ہندوستانی زندگی کو سوشل بنانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

لاہور۔ سنہ ۱۹۴۰ء

ناکامی

ایک ایکٹ کا ڈرامہ

کردار ڈرامہ

پرکاش۔ منورتھ۔ شنکر۔ رمیش۔ پریم ——— کالج کے زمانے کے پانچ دوست
اُوشا۔ کاشا ——— رمیش کی بہنیں۔ عمر ۱۸ اور ۱۶ سال حسب مراتب
رمیش کی ماں ——————— عمر ۵۰ سال
رمیش کا باپ ——————— عمر ۵۶ سال

پہلا سین

کسی اچھے سے کالج کے ہوسٹل کا ایک کمرہ۔
دروازے سے داخل ہوتے ہی دائیں طرف ایک پلنگ بچھا ہے۔

دروازے کے بائیں طرف دیوار کے ساتھ ایک میز ہے جس پر نہایت بے ترتیبی سے کتابیں بکھری پڑی ہیں۔ میز اور پلنگ کے درمیان دو تین کرسیاں رکھی ہیں دروازے کے عین سامنے فرش پر چمڑے کے دو خوبصورت سوٹ کیس پڑے ہیں۔ فرش پر دری بچھی ہے۔ اور کمرے کی دیواروں پر خوبصورت عورتوں کی نیم عریاں تصویریں آویزاں ہیں۔

منور تھ اور پرکاش دو کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

پرکاش :۔ رات کو کیبرے میں خوب لطف رہا۔

منور تھ :۔ بھئی ہمیں تو کچھ لطف نہیں آیا۔ کیبرے میں جب تک "کسی" کا ساتھ نہ ہو۔ کیا لطف؟ اور پھر یہ محض دیکھنے کی چیز تھوڑی ہے۔

پرکاش :۔ ارے بھائی ساتھ نہ سہی۔ آس پاس تو دل بہلانے کو بہت سا سامان موجود تھا اور دل کا بہل جانا بھی تو کوئی آسان بات نہیں۔

منور تھ :۔ ٹھیک کہتے ہو دوست، اور پھر تمہارا دل کیوں نہ بہلتا؟ تمہارے دائیں طرف وہ بھورے بالوں والی اینگلو انڈین لڑکی......

پرکاش :۔ کس کا ذکر کیا تم نے! خدا کی قسم لاجواب چیز تھی۔ سارے ہال کی نگاہیں اُسی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

منور تھ :۔ کیوں نہ لگی ہوتیں؟ اُس انبوہِ حسن میں اُس کا حسن اِس طرح درخشاں تھا جیسے نیلے آسمان پر ستاروں کے درمیان چودھویں کا چاند۔

پرکاش :۔ اور اُس کی آنکھیں رقص گاہ کی ناچتی ہوئی فضا میں دو منور رقصاں ستاروں کی طرح ناچ رہی تھیں۔

منور رتھ :۔ اور لوگوں کے دل بھی اُسکی نگاہوں کی تال پر دھڑک رہے تھے۔
پرکاش :۔ تم نے اُس کے ہونٹ دیکھے۔ اور اُس کے سینے کا اُبھار؟
منور رتھ :۔ ان چیزوں کو دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا لطف تو اس کے ہم رقص سے پوچھو۔
پرکاش :۔ کتنی بھونڈی شکل تھی اُس کی۔
منور رتھ :۔ لیکن کتنا خوش نصیب تھا وہ شخص۔ ہمارے ہاں بھی ناچ ہوتے ہیں۔ بس دُور سے دیکھا کرو اور جلا کرو۔
پرکاش :۔ بھئی یہ بات تو میں نہیں مانتا۔ فنی نکتۂ نگاہ سے "مشرق کے رقص" کا بھلا کون مقابلہ کرسکتا ہے؟
منور رتھ :۔ آخر کس کام کا وہ فن جس میں عام انسان شریک نہ ہوسکے اور زندگی کے پُر پیچ مسائل سے لمحہ بھر کے لئے بھی فرار حاصل نہ کرسکے۔ فن کی نمائش اور فن کی شرکت میں کتنا فرق ہے ہم صرف کسی آرٹسٹ کے فن کو دیکھکر واہ واہ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ فن کار اور اُس کے فن میں ڈوب جاتے ہیں۔ ایک سے ہمیں صرف تنقید کا احساس پیدا ہوتا ہے اور دوسرے سے ایک مسرت، ایک وجد اور سرُور۔
پرکاش :۔ لیکن دونوں کے معیار میں کتنا فرق ہے۔ ایک طرف "کتھا کلی" اور دوسری طرف "کیبرے" "فوکس ٹروٹ یا مغربی جوڑوں کے دوسرے ناچ۔
منور رتھ :۔ مان لیا کہ "کتھا کلی" وغیرہ اچھے ناچ ہیں۔ بلکہ فنی نکتۂ نگاہ سے بہترین لیکن یہ بات ہم ایک ناقد کی حیثیت سے کہہ سکتے ہیں۔ ایک ان پڑھ

گنوار کے لیے "کنھا کلی"۔ اور ایک بازاری عورت کے تھرکنے میں کوئی فرق نہیں بلکہ اُسے شاید بازاری عورت کا ناچ زیادہ پسند آئے کیونکہ وہاں اُسے زیادہ قرب حاصل ہے۔

پرکاش :۔ لیکن تم تو ایک ان پڑھ اور گنوار آدمی نہیں۔ تم میں تو فن اور عمومیت میں امتیاز کا احساس ہے۔ کیا تمہیں کسی مشرق کی فن کار رقاصہ کا ناچ دیکھکر خوشی حاصل نہیں ہوتی؟

منورتھ :۔ خوشی تو ہوتی ہے لیکن تسکین نہیں ہوتی۔ بھلا تم خود ہی بتاؤ کہ جو حظ کسی پیکر حسن کو اپنے پہلو میں لے کر اُس کے جسم کی کُل رعنائیوں میں مدغم ہو کر ناچ کی فضا میں گم ہو جانے سے حاصل ہوتا ہے وہ کیا کسی حور شمایل کے بہترین رقص کو دور ہی دور سے دیکھنے سے حاصل ہو سکتا ہے؟

پرکاش :۔ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ اُس بھورے بالوں والی لڑکی ہی کو لو۔ کہاں اُس کے پہلو بہ پہلو رقص کرنا اور کہاں اُسے رقص کرتے ہوئے دور سے دیکھنا۔ بھئی خوب بات کہی، مجھے تو اس کے خیال ہی سے وجد آگیا (ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے) اوہو! لاؤ یار ایک آدھ سگریٹ ہی نکالو سگریٹ کے دھوئیں میں غم کو منتشر کرنے کی کوشش کریں۔

منورتھ اُٹھکر میز کے دراز سے ایک کریون آے کا ڈبہ نکالتا ہے ایک سگریٹ پرکاش کو پیش کرتا ہے اور دوسرا خود سلگاتا ہے۔ پرکاش کرسی پر بیٹھے ہوئے ٹانگیں پھیلا کر سگریٹ کے دھوئیں کے دائرے بناتا ہوا اُن کی طرف دیکھتا ہے۔

وقفہ

پرکاش :۔ کریون اے نہ پیا کرو منورتھ۔ اس کا تمباکو بہت تیز ہوتا ہے۔
منورتھ :۔ اس سے گلا خراب نہیں ہوتا۔
پرکاش :۔ کیپل سے بھی تو گلا خراب نہیں ہوتا۔
منورتھ :۔ لیکن وہ بہت مہنگا ہے اور ہماری حیثیت نہیں کہ اُسے پیئیں۔
پرکاش :۔ چھوڑو یار اِتنے بڑے زمیندار کے لڑکے ہو اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پہلے بوٹوں کی آواز۔ پھر ہاتھ میں اخبارات لئے شنکر کمرے میں داخل ہوتا ہے۔

منورتھ :۔ لو بھئی کتابوں کے کیڑے آ رہے ہیں۔
پرکاش :۔ کس شان سے رینگتے چلے آ رہے ہیں۔
منورتھ :۔ کہو شنکر۔ کتابوں سے فرصت مل گئی کیا؟
شنکر :۔ (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) تم نے آج کا اخبار دیکھا؟
منورتھ :۔ جلدی کیا ہے۔ ابھی تو سو کر اُٹھے ہیں۔ اور آج تو اتوار ہے۔
شنکر :۔ آج کے اخبار میں آئی۔ اے۔ ایس کا نتیجہ ہے۔ اور تمہارا دوست البرٹ کامیاب ہوا ہے۔
پرکاش :۔ کون البرٹ؟ وہی نا جو ہمارے ساتھ بی۔ اے میں پڑھتا تھا۔
شنکر :۔ ہاں! ہاں! وہی تو!
پرکاش :۔ (حیرانی سے) وہ تو نرا گنوار تھا، وہ کیسے کامیاب ہو گیا؟
منورتھ :۔ کالج میں تو وہ مشکل سے پاس ہوا کرتا تھا۔

پرکاش :۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان مقابلہ کے امتحانوں میں قابلیت معیار ہی نہیں ہے۔ یہاں تو سفارش چلتی ہے جس کی پہنچ ممتحن تک ہوئی کامیاب ہو گیا۔

شنکر :۔ میں یہ بات نہیں مانتا۔ قابلیت کی اہمیت ضرور ہے۔

پرکاش :۔ اگر ایسا ہی ہے تو تم کیوں کامیاب نہ ہو سکے؟ کیا تم میں قابلیت نہیں؟ تم بی۔ اے کے امتحان میں اوّل درجے میں پاس ہوئے کالج میں ہمیشہ اوّل رہے اور اِدھر جب آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں شریک ہوئے تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر کیوں؟

شنکر :۔ قسمت بھی کوئی چیز ہے۔

منورتھ :۔ نہیں شنکر۔ قسمت پہ دوش نہ لگاؤ۔ پرکاش سچ کہتا ہے۔ کہ یہاں سفارش کے بغیر کام نہیں چلتا۔ تم نے جی توڑ کے محنت کی۔ آئی سی ایس میں پاس بھی ہوئے لیکن ناکام رہے۔ اُدھر البرٹ جس نے کبھی محنت کی ہی نہیں۔ جو کالج میں ہمیشہ تم سے پیچھے رہا۔ وہ کامیاب ہو گیا۔

شنکر :۔ یہ الگ بات ہے۔ ایک تو ای۔ اے سی اور آئی۔ سی ایس کے امتحانوں میں بڑا فرق ہے اور دوسرے البرٹ عیسائی ہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے مقررہ تعداد میں آسامیاں پہلے سے ہی محفوظ ہوتی ہیں۔

(کمرے کے باہر ذرا دور سے کسی کی باتوں کی آواز آتی ہے)

منورتھ :۔ پرکاش ذرا دیکھنا تو۔ مجھے تو رمیش معلوم ہوتا ہے۔

پرکاش :۔ جانے بھی دو یار۔ مفت میں زحمت سہہ لو گے۔ دو گھنٹے بکھر

سننا پڑے گا۔ ان لوگوں نے بھی خوب ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ گاندھی ٹوپی سر پر رکھی۔ ایک دو تقریریں کیں کچھ چندہ اکٹھا کیا۔ تو لیڈر بن گئے۔ اور پھر گلچھڑے اڑائے۔

منور بھؔھ:۔ یہ نہ کہو پرکاش، رمیش ایسا آدمی نہیں ہے۔

(دو آدمیوں کی کمرے کی طرف آنے کی آواز)

ایلو! میرے خیال میں تو وہ ادھر ہی آرہا ہے۔ اور اس کے ساتھ شاید پریم ہے۔

(دروازے پر دو نوجوان کھدر کے پائجامے اور کھدر کے کرتوں پر بیٹی کی جیکٹ پہنے نمودار ہوتے ہیں۔ دونوں کے سر پر گاندھی ٹوپی ہے)

منور بھؔھ:۔ ہیلو رمیش، ہیلو پریم! آج صبح ہوسٹل میں کیسے آنا ہوا؟

(دونو پرکاش اور شنکر سے ہاتھ ملاتے ہوئے پلنگ پر بیٹھ جاتے ہیں)

رمیش:۔ یونہی آ گئے۔ اور اگر سچ پوچھو تو ہم تم سے کچھ اینٹھنے آئے ہیں۔ تم نے اخبار میں تو پڑھا ہی ہوگا۔ کہ بمبئی کے مزدوروں نے ہڑتال کر رکھی ہے ہم انکے لئے چندہ اکٹھا کر رہے ہیں۔ اور تم سے ہمیں کم از کم پانچ روپے کی امید ہے۔

پرکاش:۔ باپ رے! پانچ روپے میں تو دو آدمی دو دفعہ سینما دیکھ سکتے ہیں

رمیش:۔ (پرکاش کو نظر انداز کرتے ہوئے) کہو پھر لکھوں رسید؟

منور بھؔھ:۔ اتنا ظلم نہ کرو رمیش۔ روپے آنے پر دو روپے لے جانا۔

رمیش:۔ اچھا دو ہی سہی۔ اور آپ مسٹر شنکر؟

شنکر:۔ ہمارے سامنے تو اس بات کا نام تک نہ لو۔ ہم نے تو ابھی کل ہی

پی۔ سی۔ ایس کے امتحان کا داخلہ دیا ہے۔

(پریم اور منور تھ ہنستے ہیں)

رمیش :۔ کیا آئی سی ایس بننے کی امید ترک کر دی جو پی۔ سی۔ ایس کا امتحان دینے کی ٹھانی ؟

شنکر :۔ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس دفعہ دونوں جگہ قسمت آزمائی کی جائے۔

رمیش :۔ مبارک خیال ہے !

منورتھ :۔ تمہارے آنے سے پہلے ہم انہیں یہی سمجھا رہے تھے کہ ایسے امتحانوں میں سفارش کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔ اور ان میں روپیہ ضائع کرنا ایک ایک طرح سے محض الٹر پیٹڈ ویکلی کے معمے حل کرنا ہے۔

رمیش :۔ ہاں ! لیکن سفارش کے علاوہ یہاں اور بھی تو کئی چیزوں کی ضرورت ہے !

شنکر :۔ یہی تو میں کہتا تھا۔ اور مسٹر رمیش بھی اس بات میں مجھ سے متفق ہیں

پرکاش :۔ کیا رمیش صاحب مقابلہ کے امتحانوں کے حق میں کچھ فرما رہے تھے ؟ اب تو تمہیں کچھ نہ کچھ چندہ دینا ہی چاہیئے۔

رمیش :۔ میں نے ان کے حق میں یا ان کے خلاف تو کوئی بات نہیں کہی کیونکہ درحقیقت سوال ہی یہ نہ تھا۔ لیکن اب چونکہ یہ سوال پیدا ہو گیا ہے تو میری رائے یقیناً ایسے امتحانات کے خلاف ہے۔

شنکر :۔ تمہاری رائے کو پوچھتا ہی کون ہے ؟ لو جی ! اگر یہاں بھی کوشش نہ کریں تو ہمارے لئے سوائے کلرک بننے کے اور دھرا ہی کیا ہے ؟

رمیش :۔ آخر ایک آئی سی۔ ایس اور کلرک میں فرق ہی کتنا ہے ! میری

رائے میں تو صرف تنخواہ کا فرق ہے۔

شنکر :۔ (بلند آواز میں حیرانی سے چونکتے ہوئے) واہ! یہ کیسے؟

رمیش :۔ آخر دونوں کارندے ہی تو ہیں۔ ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا۔ ہماری سرکار کو ہر وقت ایسے چھوٹے اور بڑے گرائے کے کارندوں کی ضرورت رہتی ہے۔ انہیں کارندوں کی بھرتی کے لئے ان مقابلہ کے امتحانوں کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے۔ یہاں کامیابی کے لئے قابلیت سفارش۔ اچھی صحت خاندانی وفاداری اور اپنے ملک سے غداری ان سب چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے تعلیم کے بعد ہمارے اکثر نوجوانوں کی یہی کوشش رہتی ہے کہ وہ بڑے سے بڑا کارندہ بنیں۔ اگر کوئی کامیاب ہو جائے تو اُسے زیادہ تنخواہ ملتی ہے۔ اور اگر ناکام رہے تو وہ ایک شرابی کی طرح اِن امتحانوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے اور بعض اوقات اُسے کھڑا ہونے کو جگہ مل ہی جاتی ہے۔ یعنی چھوٹے کارندے کی اور تھوڑی تنخواہ پر۔ بہرحال کلرک ہو یا آئی سی۔ ایس۔ دونوں ایک ہی مشین کے پرزے ہیں۔ پرزے کی قیمت میں فرق ہو سکتا ہے لیکن اُس کی ماہیت نہیں بدل سکتی۔ وہ ہر حالت میں اُسی مشین کا ایک پرزہ ہے جو عوام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو فاقوں مارنے کے لئے وضع کی گئی ہے۔

پرکاش :۔ کیا تمہارا مطلب ہے کہ شنکر اگر بی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں شریک ہو رہا ہے تو وہ اپنے ملک سے غداری کر رہا ہے؟ بھئی خوب!

پریم :۔ دیکھو پرکاش تم اپنی عادت کے مطابق لڑائی کرانے کی کوشش

نہ کرو۔

پرکاش :۔ (غصے سے) تو کیا ہم لوگوں کو لڑاتے ہی ہیں؟

منورتھ :۔ چلو جانے بھی دو۔ معمولی سی تو بات ہے۔ اور ہاں رمیش صاحب مان لیا کہ آپ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ لیکن اس بات کا جواب آپ نے ابھی تک نہیں دیا کہ تعلیم کے بعد متوسط درجے کا ایک نوجوان آخر کرے تو کیا کرے۔ اپنا اور اپنے کنبے کا پیٹ کس طرح پالے۔

پرکاش :۔ تمہیں اس کی کیا فکر لگ گئی۔ اوّل تو ذیلدار صاحب کا اتنا رسوخ ہے کہ تمہیں فوج یا پولیس میں کوئی نہ کوئی جگہ مل ہی جائے گی، اگر نہ بھی ملے تو اتنی بڑی زمینداری آخر تمہارے ہی لئے تو ہے۔ اور پھر آج کل تو پنجاب میں راج ہی زمینداروں کا ہے۔

منورتھ :۔ میں نے یہ بات ذاتی یا انفرادی طور پر تو نہیں کہی تھی۔

شنکر :۔ یہی تو میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ سوال منورتھ اور اسکی قماش کے لوگوں کے لئے نہ ہو لیکن سوائے چند ایک کے ہر ایک نوجوان کو یہی سوال درپیش ہے۔ مسٹر رمیش ہمارے سامنے ایک آدرش پیش کر رہے ہیں لیکن ہر ایک انسان کسی آئیڈیل کے لئے بھوکا نہیں مر سکتا۔ عام طور پر آئیڈیل کی بجائے اگر کسی کو زندگی کے لوازمات حاصل کرنے کے لئے کسی بھی جگہ سے چاندی کے چند سکے مل جائیں تو وہ اُسے زیادہ پسند کرے گا۔

پرکاش :۔ (دبی زبان سے) چاہے وہ سکے چندے میں ہی ملیں!

(پریم غصّے کی نظروں سے پرکاش کی طرف دیکھتا ہے۔ لیکن پیشتر اس کے

کہ وہ اُسے کچھ کہے رمیش اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھکر اُسے چپ رہنے کا اشارہ کرتا ہے۔

رمیش :- تم یہ ٹھیک کہتے ہو شنکر۔ میں یہ مانتا ہوں کہ بیکاری کا مسئلہ نہایت دقیق اور اہم ہے لیکن تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ یہ مسئلہ ہمارے شکستہ نظام کیساتھ وابستہ ہے اور سرکاری ملازمتوں اور مقابلہ کے امتحانوں سے اس کا حل نہیں ہو سکتا۔ شروع میں ہم میں سے ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اچھی طرح زندگی بسر کرے۔ اُس کے پاس موٹر ہو۔ سجی سجائی کوٹھی ہو۔ نمائش کے لئے خوبصورت بیوی ہو۔ سماج میں اونچا درجہ ہو۔ اِن چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے ہم اپنی ساری زندگی صرف کر دیتے ہیں لیکن کتنے ہیں جو کامیاب ہوتے ہیں۔ لاکھوں میں سے مشکل سے ایک یا دو۔ اور باقی کلرک یا بیکار۔ خوبصورت لیکن بھوک سے زرد چہرے والی عورتوں کے خاوند۔ پانچ چھ بچوں کے باپ۔ پچکے ہوئے گال۔ زرد چہرے۔ چڑچڑا مزاج لیکن جس کے بڑے صاحب کی مہربانی سے کچھ ترقی مل ہی جائے کیا تم اسے بیکاری کے مسئلے کا حل کہتے ہو۔ اور پھر ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کے علاوہ اُن لاکھوں "اَن پڑھ جاہل ہندوستانیوں" کی بیکاری کا کیا علاج جو سال میں آٹھ ماہ بیکار رہتے ہیں کیا اُن کے لئے بھی مقابلہ کے امتحان جاری کریں گے آپ؟ مسٹر شنکر! یہ علاج نہیں محض ڈھونگ ہے۔ جب تک موجودہ سماجی نظام پاش پاش نہ ہو جائے۔ تب تک بیکاری کا کوئی علاج نہیں۔ اور نہ میں تمہیں کوئی حل بتا سکتا ہوں۔ میرے سامنے تو وہی چیز ہے جسے تم آئیڈیل کہتے ہو۔

(شنکر جواب سوچنے کے لئے کھانستا ہے۔)

پرکاش :۔ چندہ جمع کرنے کا آدرش ——— اچھا علاج ہے بیکاری کا!

(طنزاً ہنستا ہے)

پریم :۔ بکواس مت پرکاش۔ بہت برداشت کیا ہے ہم نے تمہاری بکواس کو۔ کیا بیکاری کا یہ علاج ہے کہ کسی زمیندار کے بیٹے کے ساتھ چپک گئے یا پولیس میں ڈائری بھر دی۔

پرکاش :۔ تم بہت بڑھ رہے ہو پریم! میں ایسی باتوں کا جواب زبان سے نہیں دیا کرتا۔

(پریم اُٹھکر پرکاش پر جھپٹتا ہے اور دونوں گتھم گتھا ہو جاتے ہیں۔ پرکاش گالیاں بھی دیتا ہے۔ شنکر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ منورتھ اور رمیش دونوں کو چھڑاتے ہیں "جانے بھی دو۔ کیوں لڑتے ہوئے پاگل ہوئے ہو کیا پریم؟ اب چھوڑو بھی" وغیرہ۔ آخر دونوں کو علیحدہ کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ پرکاش گالیاں دیئے جاتا ہے۔)

رمیش :۔ (پریم سے) چلو پریم۔ ہم یہاں لڑنے جھگڑنے تو نہیں آئے تھے۔

پریم :۔ (غصے سے) ایسا ہی بکتا . . . . . .

رمیش :۔ (بات کاٹ کر) اچھا چھوڑو بھی اب۔ گڈ بائی اچھا منورتھ۔ گڈ بائی۔ میٹ یو اگین

(دونوں کمرے سے باہر چلے جاتے ہیں۔) (پردہ)

دوسرا سین

رمیش کا گھر

وقت دس بجے رات

منظر:- (لاہور کے مضافات میں نچلے متوسط طبقے کے ایک ہندو گھر کا ایک کمرہ
کمرے کی دیواروں پر مختلف قسم کی چھوٹی اور بڑی دھارمک تصویریں نہایت بے ترتیبی سے لٹک رہی ہیں۔ دروازے میں سے داخل ہوتے ہی کمرے کے دائیں طرف وسط میں دو کھڑکیاں ہیں جو اس وقت بند ہیں۔ کھڑکیوں کے پاس ہی ایک چارپائی بچھی ہے۔ جس پر میلے کپڑے پڑے ہیں۔

دروازے کے بائیں جانب کونے میں ایک میز ہے۔ جس پر اخبار رسالے کتابیں ٹیبل لیمپ پیتل کا خالی گلاس۔ کنگھی شیشہ حجامت بنانے کا سامان۔ مختلف چیزیں نہایت بے ترتیبی سے بکھری ہوئی ہیں۔ میز کے قریب ہی دو تین کرسیاں بچھی ہیں۔ میز سے ذرا ہٹ کر دیوار میں ایک الماری ہے جس کے عین اوپر دیوار پر ایک پرانا سا کلاک ٹک ٹک کر رہا ہے۔

دروازے کے سامنے والی دیوار کے ساتھ فرش پر ایک چھوٹی دری بچھی ہے۔ دری پر ایک گاؤ تکیہ رکھا ہے جس کا غلاف سخت میلا ہو رہا ہے دری کے ساتھ ہی فرش پر دیسی طرز کے دو تین مونڈھے پڑے ہیں جن میں سے ایک پر رمیش کی ماں بیٹھی آگ تاپ رہی ہے۔ دری پر گاؤ تکیہ کے سہارے ٹانگیں پھیلائے رمیش کا باپ بیٹھا ہے اور اس کے ساتھ ہی رمیش کی دو بہنیں۔ اوشا اور کانتا

اُوشا رمیش کے لیے ایک نیا سویٹر بُن رہی ہے اور کانتا ہندی کی ایک کتاب پڑھ رہی ہے۔

کانتا کی پشت پر دیوار میں ایک اور دروازہ ہے۔ جو دوسرے کمرے میں کھلتا ہے۔

کلاک دس بجاتا ہے!

اُوشا:۔ پتا جی دس بج گئے ہیں۔ لیکن ابھی تک رمیش بھائی نہیں آئے۔

رمیش کی ماں:۔ ابھی کھانا بھی تو نہیں کھایا۔

رمیش کا باپ:۔ کبھی وہ دس بجے سے پہلے گھر آیا بھی ہے۔ جو آج تم اتنا فکر کر رہی ہو؟

اوشا۔ روز تو نو ساڑھے نو بجے آ ہی جایا کرتے ہیں۔

رمیش کا باپ۔ میں نے تو اُسے کبھی نو بجے آتے نہیں دیکھا۔

رمیش کی ماں:۔ اس وقت تک تو ضرور آ ہی جایا کرتا ہے۔ آج معلوم نہیں کیوں نہیں آیا۔ ایشور بھلا ہی کریں۔

رمیش کا باپ:۔ نہیں آیا تو میں کیا کروں۔ اس لڑکے نے تو میرا بڑھاپا خراب کر دیا۔ مَیں نے سوچا تھا۔ ایک لڑکا ہے لائق نکلے گا۔ تو بڑھاپے میں سُکھ بھوگوں گا لیکن اس نے میری تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ (ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے) ہاں بھئی! اولاد بھی تو قسمت والوں کی ہی اچھی نکلتی ہے۔

کانتا:۔ بھیا نالائق تو نہیں پتا جی۔ وہ امتحان میں کبھی فیل نہیں ہوئے۔ ہر

وقت پڑھتے رہتے ہیں اور پھر لیکھک بھی اچھے ہیں۔
رمیش کا باپ:۔ (بیٹی سے) چپ رہو کانتا۔ تم بھلا ان باتوں کو کیا جانو پڑھنے لکھنے سے کیا بھلا لیاقت آتی ہے۔
رمیش کی ماں:۔ یونہی ناراض ہو رہے ہو۔ سچ تو کہتی ہے۔ بچاری۔ ہمارا رمیش نالائق تھوڑی ہے۔
رمیش کا باپ:۔ تمہاری اس بات نے تو انہیں خراب کر دیا ہے بڑوں کو ہر بات میں ٹوکتے ہیں۔ رمیش نالائق نہیں تو کیا میں نالائق ہوں؟ میں نے تو سترہ برس کی عمر میں نوکری بھی کر لی تھی۔ اور اس وقت سے کولھو کے بیل کی طرح جُتا ہوا ہوں۔ ان کو پڑھایا لکھایا، پالا پوسا، غرض ساری کمائی انہیں پر صرف کر ڈالی۔ مگر جب مجھے ذرا نوکری سے فراغت ملی تو سوچا کہ اب رمیش کمائے گا۔ اور میں کھاؤں گا۔ لیکن دیکھتا ہوں کہ ان تلوں میں تیل ہی نہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم نے بچوں کی جڑیں پہلے ہی سے کھوکھلی کر دی ہیں۔
رمیش کی ماں:۔ اب مجھے مفت میں کوسو۔ میں نے کب کسی کی پیٹھ ٹھونکی ہے میں تو الٹا ہر وقت انہیں ڈانٹتی ہی رہتی ہوں۔ لیکن مار بھی کیسے ڈالوں بچے ہی تو ہیں۔ اور اگر رمیش کو کوئی نوکری نہیں ملی تو اس میں اس کا کیا قصور آجکل وقت ہی ایسا آن پڑا ہے۔ تمہارے زمانے میں تو مڈل پاس کو بھی نوکری مل جایا کرتی تھی۔
رمیش کا باپ:۔ نوکری تو اب بھی ملتی ہے۔ لیکن اگر کوئی کوشش

کرے تو۔ آخر ساری دنیا بیکار تھوڑا ہی پھرتی ہے۔

اوشا:۔ کوشش تو رمیش بھائی بھی کرتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن......

رمیش کا باپ:۔ وہ خاک کوشش کرے گا۔ اُسے تو اس کا خیال تک نہیں۔ دس۔ دس بجے تک باہر رہنا۔ ہر وقت آوارہ پھرنا۔ بھنگیوں اور تانگے والوں سے میل ملاقات رکھنا۔ بڑا بنا ہے۔ قوم کا بہی خواہ، کمینے لوگوں کا چودھری! اس طرح سے بھی کبھی کسی کو نوکری ملی ہے؟ مکھن لال کے لڑکے کو تو جانتی ہی ہو۔ جج بنا ہوا ہے، جج! تین سو روپیہ تنخواہ پاتا ہے۔

رمیش کی ماں:۔ ہماری ایسی قسمت کہاں؟

رمیش کا باپ:۔ ہماری قسمت میں رام جانے کیا لکھا ہے۔ ان ساٹھ روپوں کی پنشن سے آخر کب تک گذر ہو گا۔ نہ تو اِن سے خرچ چل سکے گا۔ اور نہ قرض لیے باقی ہو گا۔ مجھے تو ایسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہیں ایک دن بازار میں بیٹھکر بھیک مانگنی پڑے گی۔

رمیش کی ماں:۔ رام رام کہو۔ آج تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ہمیشہ ایشور پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ آج ہی کل میں رمیش کو کہیں نہ کہیں نوکری مل رہے گی۔ ہم اُس کا بیاہ کریں گے۔ تب ہماری قسمت بھی جاگ اُٹھے گی۔

رمیش کا باپ:۔ بیاہ وِیاہ کا خیال تو تم اب چھوڑو۔ اب بھلا ہمیں کون شریف آدمی اپنی لڑکی دے گا۔ پہلے تو پھر بھرم بنا ہُوا تھا۔ نوکری تھی۔ چار پیسے پاس تھے۔ لیکن اب...... (ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے) اس لڑکے نے کہیں کا نہ چھوڑا۔

رمیش کی ماں :۔ سنو تو امیری بہن نے ایک رشتے کے لئے کہا ہے۔ وہ بہت بڑے آدمی ہیں۔

(اوشا اور کانتا چونکنّی ہو جاتی ہیں)

رمیش کا باپ :۔ تم نے مجھے یہ پہلے کیوں نہیں بتایا۔ تمہاری بہن تو سب کچھ کر سکتی ہے۔ اُن لوگوں کو شمار تو اس وقت شہر کے بڑے آدمیوں میں ہوتا ہے۔

رمیش کی ماں :۔ ذکر کس سے کرتی تم تو مجھے ہی ڈانٹنے لگ گئے۔

رمیش کا باپ :۔ اچھا میں ہی بُرا سہی لیکن اب بتاؤ گی بھی۔

رمیش کی ماں :۔ میری بہن نے کہلوا بھیجا ہے کہ سیٹھ رادھا کشن کے ہاں بات بن سکتی ہے۔ اگر کہو تو کوشش کر دوں۔ وہ بڑے رسوخ والے آدمی ہیں۔ لڑکے کے کام کاج کے لئے بھی وہ خود ہی انتظام کر دیں گے۔ اور ویسے بھی۔ . . . دیں گے

رمیش کا باپ :۔ (ہاتھ ملتے ہوئے) سیٹھ رادھا کشن! اگر وہاں کام ہو جائے تو اور کیا چاہیئے۔ کیا تم نے اُس سے کہا نہیں کہ ضرور کوشش کرے۔ کوشش تو کیا بلکہ . . . . . . (خوشی سے منہ سے بات نہیں نکلتی۔)

رمیش کی ماں :۔ کہہ تو میں نے اُسے دیا ہے لیکن رمیش سے بھی تو پوچھ لیں۔

رمیش کا باپ :۔ (چونک کر) کیا کہا؟ رمیش سے پوچھ لوں! پگلی کہیں کی۔ اُس کا اس بات سے کیا تعلق ہے۔

(باہر سے کسی کے آنے کی آہٹ ہوتی ہے)

اُوشا :- رمیش بھائی آگئے

(رمیش کمرے میں داخل ہوتا ہے اور سب کی نگاہیں اس کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔ رمیش بغیر کسی سے بات کئے کانتا کی پشت والے دروازے سے دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے)

رمیش کا باپ :- آواز دیتا ہے ، رمیش !!

رمیش :- (اندر سے ہی) جی ہاں ۔

رمیش کا باپ :- (آواز میں وقار پیدا کرتے ہوئے) ادھر آؤ ۔

(رمیش باہر آکر خاموش کھڑا ہو جاتا ہے ۔)

رمیش کا باپ :- آج گیارہ بجے تک کہاں آوارہ گردی کرتے رہے ؟

رمیش :- (گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے) ابھی گیارہ تو نہیں بجے ۔

رمیش کا باپ :- تو اتنی جلدی کیا تھی ۔ گیارہ بجے کے بعد ہی آنا تھا ۔

(رمیش چپ رہتا ہے)

وقفہ

رمیش کی ماں :- بیٹھ جاؤ نہ بیٹا ، بتاؤ نا آخر ، اتنی رات تک تم کہاں رہے ہو ؟

(رمیش مونڈھے پر بیٹھ جاتا ہے)

رمیش کا باپ :- (طنزاً) کیا آج کوئی جلسہ تھا ؟

رمیش :- جی ہاں !

رمیش کا باپ :- جی ہاں ! شرم نہیں آتی ۔ نہ کھانے کی فکر نہ کمانے کی بس ہر وقت آوارہ گردی کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں ۔ ہر وقت جلسے جلوس

اور بھی خرافات۔ بھگوان سمجھیں اُس پریم سے جس نے تمہیں یہ راہ دکھائی۔ بڑے آئے یہ آزادی لینے والے، اگر آج انگیریز چلے جائیں تو تمہیں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔ مسلمان تمہارے لئے جینا محال کر دیں۔

(کانتا منہ چھپا کر ہنستی ہے)

رمیش:۔ (طنزاً ہنستے ہوئے) آپ پر تو بس ہر وقت مسلمانوں کا ہوّا سوار رہتا ہے۔

رمیش کا باپ:۔ اور تو ہے بڑا قوم کا بہی خواہ۔ تجھے اِن باتوں کا کیا پتہ۔ ہمارے شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کہہ گئے ہیں کہ یہ قوم......

(رمیش اور کانتا کھلکھلا کر ہنس پڑتے ہیں اور اُوشا بھی مسکرا دیتی ہے)

رمیش کا باپ:۔ (غصے سے) تم میرا مذاق اُڑاتے ہو۔ کیا یہی صلہ ہے میری محنت کا۔ تمہیں پڑھایا۔ لکھایا۔ تمہارے لئے اپنا پیٹ کاٹا لیکن تمہیں سکھ میں رکھا۔ تمہارے لئے قرض تک لیا اور اب تم ہی میرا مذاق اُڑا رہے ہو۔ کیا یہی سیکھا ہے تعلیم سے کہ باپ کی توہین کرو۔ تین سال ہو گئے تمہیں ایم۔ اے پاس کئے۔ لیکن ابھی تک بیکار پھر رہے ہو۔ گھر سے دو وقت کا کھانا کھایا اور رات کو آکر سو رہے۔ اس کے علاوہ گھر سے کوئی تعلق نہیں۔ گھر جائے بھاڑ میں کوئی جیئے یا مرے۔ تمہیں کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ آخر میرے پاس کوئی خزانہ تھوڑا دھرا ہے۔ جو اس طرح کام چلتا رہے گا۔ میں نے تمہیں پڑھایا تھا اپنے سکھ کے لئے، کام کرنے کے لئے، بیکار پھرنے کے لئے نہیں۔

رمیش:۔ (رک رک کر) مجھے بھی تو کچھ بیکاری سے کوئی خاص رغبت نہیں۔ اگر کوئی کام ہی نہ ملے تو میں کیا کروں؟

رمیش کا باپ :۔ کام تو ملتا ہے لیکن تمہیں اُن کمینے بھنگیوں اور تانگے والوں سے بھی فرصت ملے۔ آخر لوگوں کو بھی تو کام مل ہی جاتا ہے۔ اپنے چچا کے لڑکے کو ہی دیکھو۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد بتیس روپے پہ کام شروع کیا تھا۔ تین سال کے بعد اب وہ پچاس لیتا ہے اور پھر بیوی ہے۔ بچے ہیں۔ سبھی طرح کا خرچ چلاتا ہے۔ انسانوں کی طرح رہتا ہے۔ سب اُس سے خوش ہیں اور تم ....

رمیش :۔ مجھ سے تو کلرک کی نوکری ہرگز نہیں ہو سکتی۔

رمیش کا باپ :۔ لاٹ صاحب تو تُو ہی ہے۔ اگر اتنا ہی گھمنڈ ہے تو کسی مقابلہ کے امتحان میں بیٹھ کر مجسٹریٹ بن گئے ہوتے۔ مکھن لال کے لڑکے کو ہی لو۔ جج بنا بیٹھا ہے، کیا وہ تم سے زیادہ قابل ہے۔

رمیش :۔ میں مقابلہ کے امتحانوں میں بیٹھنا پاپ سمجھتا ہوں۔

رمیش کا باپ :۔ (حیرانی سے) وہ کیوں؟

رمیش :۔ آپ یہ نہ سمجھ سکیں گے۔ بس یونہی سمجھ لیجئے کہ مجھے یہ کام پسند نہیں۔

رمیش کا باپ :۔ تجھ ایسا دماغ کہاں سے لاؤں ایسی باتیں سمجھنے کے لئے؟ تبھی تو میں کہتا ہوں کہ کام وہ کر سکتا ہے جس کے دل میں کام کرنے کی خواہش ہو۔ (طنزاً) کلرکی انہیں پسند نہیں، مقابلہ کے امتحان میں شامل ہونا پاپ ہے، ہاں بھائی جیسے کچھ کئے بغیر دو وقت کی روٹی مل جائے وہ بھلا کام کیوں کرنے لگا ہ؟ (غصے سے) لیکن آخر میرے ہاں بھی کوئی لنگر تھوڑی لگا ہے۔

رمیش :۔ (غصے سے) لنگر کی روٹی کھانے کو میں بھی تیار نہیں۔ آپ مجھے

اجازت دیں میں ابھی ......

(کانتا کتاب بند کر کے رکھ دیتی ہے۔ اور اُوشا بھی سویٹر بننے کی سلائیاں ایک طرف سنبھال دیتی ہے)

رمیش کی ماں :۔ (بات کاٹ کر اور رمیش کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) ایسا نہیں کہا کرتے بیٹا رمیش! وہ تمہارے دشمن نہیں بیٹا۔ تمہارے بھلے کے لئے ہی تو کہتے ہیں۔

رمیش :۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) تو کیا میں ہی سب کا دشمن ہوں۔

رمیش کی ماں :۔ یہ کون کہتا ہے؟ دیکھو نہ بیٹا۔ گھر کا حال تو تم سے چھپا ہوا نہیں۔ آج تک تو ظاہرداری سے نبھتی رہی لیکن اب تو یہ بھی ناممکن ہو رہا ہے۔ جب آمدنی ہی نہ ہوگی تو گذر کیسے ہوگی ساٹھ روپے کی پنشن سے کیا کیا ہو یہ تو تم جانتے ہی ہو قرضخواہ الگ تنگ کر رہے ہیں۔ گھر کے خرچ میں پہلے ہی ہاتھ تنگ رہتا ہے۔ اسی خرچ کی وجہ سے کانتا کو کالج چھوڑنا پڑا۔ اور پھر اُوشا کب تک گھر میں بیٹھی رہے گی۔ اُسکی شادی بھی تو کرنی ہے۔ آخر یہ سب کیسے ہوگا۔ اگر تم سے بات نہ کریں تو ہمارا اور کون ہے؟

رمیش :۔ کیا میری پچاس ساٹھ روپے کی نوکری سے یہ سب روپیہ فراہم ہو جائے گا؟

رمیش کی ماں :۔ سب کام تو نہ ہوں گے لیکن ہاتھ تو کھل جائے گا۔ اور پھر اگر تم شادی کر لو تو سب کام ٹھیک ہی ہو جائیں۔

رمیش :- خوب! اِتنے لوگوں کا خرچ تو پہلے ہی سے مشکل چل رہا ہے۔ اب ایک اور آدمی بڑھنے سے خرچ کیسے برداشت ہو سکے گا ؟

رمیش کا باپ :- اس سے تو بس ہر بات کا ٹکا سا جواب سُن لو۔

رمیش کی ماں :- وہ اپنی قسمت ساتھ لائے گی بیٹا۔ اور جس جگہ میں تمہارا سمبندھ چاہتی ہوں وہاں سے تو مال بھی خوب ملے گا۔

رمیش :- مجھے مال سے تو شادی نہیں کرنی ماں۔

رمیش کی ماں :- تُو تو نرا پاگل ہے۔ میں کہتی ہوں لڑکی بی۔ اے میں پڑھتی ہے۔ اُس کے باپ کا نام تو تُو نے سنا ہی ہو گا۔ سیٹھ رادھا کشن! شہر میں کون اُسے نہیں جانتا۔ بڑے بڑے افسروں سے اُس کی واقفیت ہے۔ اگر یہاں کام ہو جائے تو وہ تمہاری نوکری کا انتظام بھی خود ہی کر دے گا۔ دیکھو بیٹا رمیش ایسا موقع بار بار ہاتھ نہیں آتا۔ اب تو تمہاری موسی کی بدولت یہ کام ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر تم اپنی ضد پر ہی اڑے رہے تو آخر وہ ہمارا دیا تو کھاتی ہی نہیں۔

اُوشا :- بھائی صاحب یہ سب باتیں تو آپ کے پسند کی ہیں۔ لڑکی بی۔ اے میں پڑھتی ہے۔ آپ آخر یہی تو چاہتے ہیں۔ اب مان جائیے ہم بھی بھابھی والے نہیں گے۔

کملا :- لیکن اماں یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں۔ کہ بھابی کی شکل صورت کیسی ہے۔

رمیش کا باپ :- ہٹ پگلی ہم ہندوؤں میں بھلا ایسی باتیں کون پوچھتا ہے۔ آخر ہمارے ہاں بھی تو لڑکیاں ہیں۔ کیا ہم شادی کے لئے اُن کی صورت

دکھانے پھر رہی گے۔

رمیش کی ماں :۔ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن کلجگ کا زمانہ ہے نہ۔ چلو صورت کا بھی میرا ذمہ رہا۔ اور پھر کانتا پر تو رمیش کو پورا اعتبار ہے ہیں کسی دن اُسکے دکھانے کا بندوبست کر دوں گی۔

کانتا :۔ بس یہ ٹھیک ہے ماں۔ ایک بار تم بھابی مجھے دِکھا دو اور پھر بھائی صاحب کو منانا میرا کام رہا۔

اُوشا :۔ اب تو بھائی صاحب آپکو ماننا ہی پڑے گا۔

وقفہ

رمیش کی ماں :۔ کہو نا رمیش کیا صلاح ہے؟

رمیش :۔ چُپ (چہرے پر کچھ سوچ اور پریشانی کے آثار)

رمیش کی ماں :۔ کہو نا بیٹا؟

رمیش :۔ میں اسقدر جلد آپ کو نہیں بتا سکتا۔

رمیش کا باپ :۔ (نقل کرکے) نہیں بتا سکتا۔ لاٹ صاحب تو تو ہی ہے (رمیش کی ماں سے مخاطب ہو کر) تو اس سے بار بار پوچھتی ہی کیوں ہے۔ خواہ مخواہ سر پر چڑھا جاتا ہے۔ میں نے جو کہہ دیا کہ تم یہاں ہر بات پکی کر دو۔ دیکھوں گا کس طرح انکار کرتا ہے۔

رمیش :۔ آپ میری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

(رمیش یہ کہہ کے دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے)

رمیش کا باپ :۔ (غصے سے اُونچی آواز سے) ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اور

کریں گے۔

(اُٹھکر رمیش کے پیچھے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور بازو پھیلا کر پکارتا بھی جاتا ہے۔

"سُنتا ہے تو نے۔ تمہیں ہماری بات ماننی ہوگی ورنہ اپنا کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈ لو، اب مجھ سے زیادہ برداشت نہ ہوگا"!

رمیش کے باپ کے اُٹھنے پر رمیش کی ماں بھی اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور اُسے پکڑتی ہے۔ اُوشا اور کانتا بھی اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ اور اُن کے چہرے زرد ہو جاتے ہیں)

رمیش کی ماں:۔ آپ بیٹھ جائیے نہ۔ مانے گا کیوں نہیں۔ آپ کی نہ مانے گا تو اور کس کی مانے گا بیٹھئے تو۔

رمیش کا باپ:۔ تم چھوڑ دو مجھے، میں آج اس بات کا فیصلہ کر کے رہوں گا تم نے تو اِسے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ (دانت پیس کر) اُلّو کا......

(پردہ)

تیسرا سین

رمیش کا گھر

وقت دس بجے صبح

پس منظر:۔ وہی جو دوسرے سین میں ہے۔

(میز کے پاس پڑی ہوئی ایک کُرسی پر رمیش بیٹھا ہے۔ اُس کے سامنے

ایک کتاب کھلی پڑی ہے، جسے وہ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن کسی ذہنی کشمکش کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا۔ تھوڑے وقفے کے بعد وہ بلند آواز میں ایک دو فقرے پڑھتا ہے۔ لیکن شاید وہ بھی اُس کی سمجھ میں نہیں آتے اس لئے کتاب کو بند کر کے میز پر پٹک دیتا ہے۔ اور پھر سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر منہ میں بڑبڑاتا ہے۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں"

چند سیکنڈ کے لئے وہ اسی طرح سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے بیٹھا رہتا ہے۔ پھر دائیں ہاتھ کو ڈھیلا چھوڑ کر اور اپنی بائیں کہنی کو کرسی کے بازو پر رکھ کر ہتھیلی سے سر کو تھامتے ہوئے پھر منہ ہی منہ میں آہستہ آہستہ بڑبڑاتا ہے۔)

رمیش: ۔شادی ...... دولت .... نوکری ...... اور ماں باپ کی خوشی (ذرا جوش سے) کیا میں ان چیزوں کے لئے اپنے آدرش اور اپنے ساتھیوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں ...... ان چاندی کے چند سکوں کے لئے ...... (آہستہ آہستہ گردن ہلاتے ہوئے) ہرگز نہیں ...... لیکن چاندی کے تھوڑے سے سکے بھی تو ضروری ہیں، میرے لئے نہ سہی۔ ان لوگوں کے لئے سہی ...... میں تو فاقے بھی کر سکتا ہوں۔ لیکن یہ لوگ خواہ مخواہ میرے لئے کیوں تڑپیں .... اوشا ...... کانتا ...... ان کی تعلیم ...... (پھر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیتا ہے) کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ (باہر سے آواز آتی ہے "مسٹر رمیش ...... مسٹر رمیش ...... مسٹر رمیش" تیسری آواز پہ رمیش چونک کر اٹھتا ہے۔)

کون ؟ .... (اُٹھکر دروازے کی طرف جاتا ہے) ہیلو منورتھ! اندر آؤ نا باہر کھڑے کیا دیکھتے ہو ؟

منورتھ کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ اور نہایت گرمجوشی سے رمیش سے ہاتھ ملاتا ہے۔ پھر دونوں گلے ملتے ہیں) کہو رمیش کیا حال ہے۔

(دونوں کرسیوں پر جا بیٹھتے ہیں)

رمیش :- آج تم راستہ بھول کر ادھر کیسے آنکلے۔ کہو چائے وغیرہ تو پیوگے نہ

منورتھ - نہیں شکریہ - میں چائے پی کر آیا تھا۔

رمیش :- تب کچھ اور ....

منورتھ :- تم بار بار کیوں کہہ رہے ہو۔ یہاں کوئی تکلف تو ہے نہیں۔

رمیش :- اچھا تمہاری مرضی۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اتنا عرصہ تم گم کہاں رہے

منورتھ :- میں باہر گیا ہوا تھا۔

رمیش :- ارے بھائی خط ہی لکھ دیا ہوتا۔

منورتھ :- میں ایک جگہ تھوڑا ہی رہا۔ بس گھومتا رہا۔ اس عرصے میں وہ وہ حسین صورتیں اور حسین نظارے دیکھے جن کے نقش ابد تک میرے دل قائم رہیں گے۔

رمیش :- اچھا تو آپ سیاحت سے لوٹے ہیں۔ اور اب کیا ارادہ ہے ؟

منورتھ :- اب کچھ کام کرنے کا ارادہ ہے۔ پتا جی نے تو مجھے پولیس انسپکٹر بھرتی ہونے کے لئے کہا تھا۔ لیکن میں نے پولیس کی نوکری کرنے سے انکار کر دیا۔ اب میرا ارادہ کوئی فلم کمپنی جاری کرنے کا ہے۔ اور پتا جی بھی کسی نہ

کسی طرح مان ہی گئے ہیں۔

رمیش :۔ تمہارے لیئے یہی کام موزوں ہے۔ اس میں تمہیں رومان بھی مل جائے گا۔ اور کام بھی۔

منورتھ :۔ (ہنستے ہوئے) رومان...... ہا ہا...... ہا ہا...... رومان......

رمیش :۔ اپنے سفر کا کوئی دلچسپ واقعہ یا رومان ہی سناؤ۔

منورتھ :۔ پھر کبھی فرصت کے وقت سہی۔ اب تو میں صرف تمسے ملنے ہی آیا تھا۔

رمیش :۔ تمہارے دوسرے دوستوں کا کیا حال ہے۔ وہ شنکر وغیرہ......

منورتھ :۔ سنا ہے شنکر کسی بنک میں ملازم ہو گیا ہے۔

رمیش :۔ (حیرانی سے) بنک میں! کیا وہ ای۔ اے۔ سی میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

منورتھ :۔ ای۔ اے۔ سی۔ چھوڑ اُس نے کئی امتحان دئے لیکن بیچارہ کسی بھی جگہ کامیاب نہ ہوا۔ سنتے ہیں۔ اب بھی کسی امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔

رمیش :۔ کیا ابھی تک اُس میں دم خم باقی ہے۔

منورتھ :۔ کیوں نہ ہو" زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے۔"

رمیش :۔ بھئی خوب کہا۔

منورتھ :۔ تم اپنی کہو آجکل کیا شغل ہے۔

رمیش :۔ وہی جو پہلے تھا تنظیم و تقریر۔ بحث۔ مباحثے تصنیف و تالیف بس ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف ہی رہتا ہوں۔ لیکن معلوم نہیں کیوں لوگ مجھے پھر بھی بیکار ہی کہتے ہیں۔

منور رتھ :۔ یہ تو ہوا لیکن میرا مطلب ہے، کہ تم کوئی ایسا کام بھی کرتے ہو جس سے آمدنی کا کوئی ذریعہ نکلتا ہو؟

رمیش :۔ یہی تو مشکل ہے کہ پیسے کہیں سے نہیں آتے۔ کوئی ایسا کام نظر بھی تو نہیں آتا جس سے آمدنی بھی ہو اور ہم اپنے طور پر بیکار بھی رہیں۔

منور رتھ :۔ ایسا کام ملنا تو واقعی مشکل ہے۔

رمیش :۔ ادھر گھر والوں کا حال بھی پتلا ہو رہا ہے۔ بس فاقوں کی ہی کسر ہے۔ گھر والوں کی تجویز ہے۔ کہ میں شادی کر لوں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

منور رتھ :۔ اور تمہاری کیا رائے ہے۔

رمیش :۔ تمہارے آنے سے پہلے میں یہی سوچ رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔

منور رتھ :۔ کیا کسی جگہ رشتہ طے ہوا ہے۔

رمیش :۔ میری رضامندی کے بغیر ہی پتا جی نے تو اپنی طرف سے بات پکی کر دی ہے۔

منور رتھ :۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے پتا جی نے کس جگہ بات پکی کی ہے۔

رمیش :۔ کیوں نہیں! شاید تم نے اُن کا نام بھی سُنا ہو۔ سیٹھ رادھا کشن بتارے تھے سُنتے ہیں بڑے رئیس اور بارسوخ آدمی ہیں۔ کہیں کام کاج کا بندوبست بھی کر دیں گے اور لڑکی بھی بی۔ اے میں تعلیم پا رہی ہے۔

منور رتھ :۔ تو پھر تم سوچ کیا رہے ہو۔ ایسے موقعے تو زندگی میں بار بار نہیں آتے

مہیش :- یہی سوچتا ہوں کہ اگر یہ بات مان لوں تو اُن کے رسوخ سے شاید کہیں نوکری بھی مل جائے۔ لیکن اس کے عوض مجھے بہت بڑی قربانی کرنی پڑے گی۔

منورتھ : (حیرانی سے) قربانی! قربانی کس بات کی ؟

مہیش :- اس کے عوض مجھے اپنے ضمیر کو بیچنا ہوگا۔ مجھے اپنے آدرش کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر اپنے آپکو اُس نظام کیساتھ وابستہ کرنا پڑیگا جس کے خلاف میں آجتک جہاد کرتا رہا ہوں۔ مجھے اپنی اُس زندگی کا اپنے ہی ہاتھوں گلا گھونٹنا ہوگا۔ جو میں نے آجتک بسر کی ہے مجھے اپنی منزل ادھوری چھوڑ کر ایک نئی راہ اختیار کرنی ہوگی۔ کیا یہ قربانی نہیں ؟

منورتھ :- لیکن میں پوچھتا ہوں کہ تم نے تصویر کے دوسرے رُخ پر بھی غور کیا۔ بیکاری، بھوک، فاقہ مستی۔ اور اس کے علاوہ کیا تم ذلّت کی زندگی بسر کرنے کے لئے تیار ہو۔ کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تم اپنے ہی فارغ البال ساتھیوں سے ہاتھ پھیلا کر زندگی کے لوازم کی بھیک مانگو۔ کیا تمہیں اپنے آدرش کی تکمیل کے ساتھ ساتھ شہرت کی خواہش نہیں۔ کیا تم یہ گوارا کر سکتے ہو کہ تمہارے چند بودے ساتھی صرف اپنی امارت کی وجہ سے تمہارے لیڈر بن جائیں۔ اور تم رہو وہی والنٹیر۔ قومی کارکن یا گویا فوج کا محض ایک گمنام سپاہی ؟

مہیش :- میں شہرت کا بھوکا نہیں منورتھ! اور تمہیں اس کا یقین دلاتا ہوں کہ میں نسبتاً ایک گمنام سپاہی کی زندگی زیادہ پسند کرتا ہوں لیکن میں اتنا

بے غیرت بھی نہیں کہ بھیک مانگوں۔

منور بھٹ: لیکن جب کوئی کام ہی نہ کروگے تو کھانے کے لئے کہاں سے آئے گا۔ آج تک تو تمہاری زندگی کی ضروریات تمہارے والدین پوری کرتے رہے لیکن اب تو اُن کے پاس بھی کچھ نہیں رہا۔ میں نے تمہارے ہی کئی ساتھیوں کو تم سے کھانے کے لئے پیسے مانگتے دیکھا ہے۔ تم اُسے بھیک نہ کہو لیکن کیا تم بھی اُسی طرح مانگنے کے لئے تیار ہو۔

رمیش: ہرگز نہیں۔ میری زندگی میں جب کبھی بھی بھوک اور غیرت کا سوال آئے گا۔ ہمیشہ میری غیرت غالب رہے گی۔ اور میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا۔

منور بھٹ: بات تو بعید از قیاس ہے لیکن مان لیا کہ اپنے متعلق تمہارا یہ فیصلہ ہے۔ لیکن تمہارے بوڑھے ماں باپ اور جوان بہنوں کا کیا ہوگا۔ کیا تم یہ گوارا کر سکوگے کہ وہ ذلت اور فاقوں کی زندگی بسر کریں۔ جبکہ انہیں اس زندگی سے بچانا تمہارے اختیار میں ہو؟ کیا تم اپنی تصور کی دنیا میں آباد ہونے کے لئے ان لوگوں کی بھینٹ چڑھا دوگے۔

(پہلے کمرے کی طرف سے کسی کے آنے کی آواز آتی ہے۔ اور پھر جلد جلد کچھ گھبرایا ہوا سراسیمگی کی حالت میں پریم کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ منور بھٹ کو دیکھ کر وہ اپنے حواس درست کرتا ہے۔ اور منور بھٹ سے ہاتھ ملاتا ہے)

پریم: ہیلو منور بھٹ۔ آج تم یہاں کیسے؟

منور بھٹ: میں کل ہی یہاں آیا تھا۔ کہو اچھے تو ہو؟

پریم :۔ ہاں! مہربانی۔

وقفہ

پریم :۔ بھائی منورتھ معاف کرنا۔ رمیش کو اس وقت میرے ساتھ چلنا ہو گا۔

رمیش :۔ کہاں؟

پریم :۔ ایشیاٹک ملز میں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں۔ کہ آج ہی وہاں سخت ہنگامہ ہو گیا۔ مل کا سیٹھ زبردستی ہماری ہڑتال توڑنا چاہتا تھا۔ اور پولیس کی مدد سے مل میں نئے مزدور داخل کرنا چاہتا تھا لیکن جب مزدوروں کی پُرامن اور کامیاب پکٹنگ سے اُنہیں اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی تو پولس نے لاٹھی چلا دی؛

رمیش :۔ کیا کوئی زخمی بھی ہوا؟

پریم :۔ بہت سے مزدور زخمی ہوئے۔ بھنخو کی حالت تو سخت نازک ہے میں ابھی اُسے ہسپتال پہنچا کر آیا ہوں۔ میں نے سوچا کہ راستے میں تمہیں بھی ساتھ لے لوں آج ہم مل کے سامنے ایک زبردست جلسہ کر رہے ہیں شاید گرفتاریاں بھی ہوں۔

رمیش :۔ اچھا تم چلو۔ میں آرہا ہوں۔ ذرا منورتھ سے ایک بات کر لوں۔

پریم :۔ اچھا۔ دیکھو دیر نہ لگانا۔

رمیش :۔ نہیں! نہیں! میں ابھی آیا۔

(پریم جاتا ہے)

منورتھ :- کیا اب گرفتار ہونے کا ارادہ ہے ؟

رمیش :- ایک طرح سے تو اچھا ہے کہ اگر گرفتار ہو جاؤں تو اس ذہنی کشمکش سے تو نجات ملے۔

منورتھ :- جیل میں تمہیں تو روٹی مل ہی جائے گی۔ باقی رہ گئے تمہارے بوڑھے والدین سو تمہاری بلا سے۔

رمیش :- کاش کہ میرا دنیا میں کوئی نہ ہوتا۔

منورتھ :- اچھا تو مجھے اب چلنا چاہیئے۔ تمہیں دیر ہو رہی ہوگی۔

رمیش :- تھوڑی دیر تو اور بیٹھو۔

منورتھ :- (کرسی پر سے اُٹھتے ہوئے) نہیں اب اجازت ہی دو۔ وہ لوگ بھی تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔

(ہاتھ بڑھاتا ہے۔ رمیش اُٹھکر منورتھ سے ہاتھ ملاتا ہے اور اُسے دروازے پر چھوڑنے جاتا ہے)

منورتھ :- اگر تم آج گرفتار نہ ہوئے تو پھر ملاقات ہوگی، اچھا، گڈ بائی۔

رمیش :- گڈ بائی!

(منورتھ جاتا ہے۔ رمیش اُس وقت تک دروازے پہ کھڑا رہتا ہے جب تک منورتھ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتا پھر وہ آہستہ آہستہ گردن جھکائے میز کی طرف آتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ میز سے ٹوپی اُٹھا کر سر پہ رکھتا ہے اور پھر باہر جانے کے لئے دروازے کی طرف مُڑتا ہے۔ لیکن یکدم جیسے کچھ سوچکر ٹوپی سر سے اُتار کر زور سے میز پہ پٹک

دیتا ہے۔ پھر کمرے کے اندرونی دروازے کی طرف جاتا ہے۔ لیکن اُس کے نزدیک پہنچکر پھر ٹھٹک جاتا ہے اور منہ میں بڑبڑانے لگتا ہے:" لیکن وہ لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ میں گرفتاری سے ڈر گیا ہوں" وہاں سے پھر میز کی طرف مڑتا ہے۔ اور ٹوپی کو ہاتھ میں اُٹھا کر کچھ سوچنے لگتا ہے۔

اسی حالت میں کمرے کے اندرونی دروازے کے اندر کی طرف سے اُوشا آواز دیتی ہے:" رمیش بھائی"۔ رمیش آواز نہیں سُنتا تو اُوشا دروازے میں سے جھانک کر اور رمیش کو اکیلا دیکھکر اُس کے پاس آ جاتی ہے۔ اور اپنا منہ اُس کے کان کے پاس لے جاکر زور سے پکارتی ہے۔)

اُوشا:۔" بھائی جان!"

رمیش:۔ (چونک کر اُوپر دیکھتے ہوئے) کیا ہوا اِتنے زور سے کیوں چلا رہی ہو؟

اُوشا:۔ تم سُنتے جو نہیں معلوم ہوتا ہے کسی گہری سوچ میں تھے۔ شاید نئی بھابی کے متعلق ہی کچھ سوچ رہے تھے۔ (شرارت سے ہنستے ہوئے) یہی بات تھی نا؟

رمیش:۔ ہٹ پگلی۔ تجھے تو ہر وقت دِلگی ہی سُوجھتی ہے۔

اُوشا:۔ کیا کہیں بیمار ہے تھے؟

رمیش:۔ نہیں تو۔

اُوشا:۔ (ہنستے ہوئے) تمہیں ماتا جی اندر بُلا رہی ہیں۔

رمیش:۔ کیا بات ہے۔ اتنا ہنس کیوں رہی ہو؟

اُوشا:۔ تم اندر تو چلو۔

رمیش :- لیکن بات بھی تو بتاؤ۔

اُوشا :- (نفی میں سر ہلاتے ہوئے اور مُسکراتے ہوئے) ہُوں اہُوں!

رمیش :- بتاؤ بھی نہ اوشا۔ آخر یہ نئی آفت کیا ہے؟

اُوشا :- (جیسے کسی بچے کو ڈرا رہی ہو) بہت بڑی آفت ہے۔ اس سے ہمیں بھابی ملے گی اور تمہیں ....

رمیش :- ذرا خشمگیں ہو کر) چُپ رہو اُوشا۔ اگر نہیں بتاتی تو نہ بتاؤ۔ جاؤ ماں سے کہہ دو کہ میں باہر گیا ہوں۔

(ٹوپی اُٹھا کر باہر جانے کو ہے لیکن اُوشا اُس کے پیچھے بھاگتی ہے۔)

اُوشا :- اچھا تو سنو۔ میں ابھی بتاتی ہوں، سُنو بھی۔

رمیش :- (واپس آکر) کہو۔

اُوشا :- تمہارے سُسرال والوں کی طرف سے تمہیں بُلاوا آیا ہے۔ اُن کے ہاں آج کسی انگریز افسر کی دعوت ہے۔ اُنہوں نے تمہیں بھی بُلا بھیجا ہے تاکہ تم سے بھی واقفیت ہو جائے۔

رمیش :- (بلند آواز سے غصّے میں) میرے کوئی سُسرال نہیں اور نہ مجھے کسی سے واقفیت درکار ہے۔

اُوشا :- ذرا آہستہ بات کرو بھائی۔ ابھی شاید اُن کا نوکر یہیں اندر ہے۔

رمیش :- (بلند آواز سے) مجھے کسی کی بھی پروا نہیں۔ جاؤ تم ماں سے کہہ دو

کہ میں نہیں جاؤں گا۔

اُوشا :۔ (نہایت عاجزی سے) غصّہ نہ کرو بھائی۔ چلو اندر...... اندر ماں بُلا رہی ہے۔

رمیش :۔ تم لوگ مجھے پاگل بنا کے رہوگے۔ تم میرا گلا گھونٹنا چاہتے ہو۔ لیکن تم یہ نہ کر سکوگے۔

(اندر سے رمیش کے باپ کی آواز آتی ہے۔ "اُوشا۔ اری اُوشا")

اُوشا :۔ (رمیش سے) چلو بھائی، جلدی چلو، پتا جی ناراض ہو رہے ہیں۔

رمیش :۔ ہونے دو۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ تم جاؤ، کہدو، کہ میں نہیں جاؤں گا۔

(اندر سے پھر آواز آتی ہے "اُوشا"۔ اُوشا جواب میں پکارتی ہے "آئی جی" اور اندرونی دروازے کی طرف واپس بھاگتی ہے اُوشا کے پیچھے رمیش دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے کھڑا ہے اُس کا چہرہ جوش۔ غصّے اور استقلال کے ملے جلے جذبات سے سُرخ ہو رہا ہے۔ اُس کا سینہ تنا ہُوا، اور چہرے کے اعصاب کھچے ہوئے ہیں۔ لیکن یکایک اُس کے چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اُس کی مٹھیاں آہستہ آہستہ ڈھیلی پڑ جاتی ہیں۔ اور وہ دھڑام سے کرسی پر گر پڑتا ہے۔ دوسرے کمرے سے

رمیش کے باپ کے کھانسنے اور کھانسی کے دوران میں ہی گالیوں کی آواز آتی ہے۔ رمیش آہستہ سے کرسی پر سے اُٹھتا ہے۔ اور کمرے کے اندرونی دروازے کے پاس جاکر مری ہوئی آواز میں اُوشا کو پکارتا ہے۔ جیسے تپ دق کا مریض کھانسی کے دورے کے بعد کسی کو دوا لانے کے لئے پکارتا ہو۔ اُوشا بھاگتی ہوئی باہر آتی ہے)

رمیش:۔ (آنکھیں زمین پر ہی گاڑے ہوئے اور نہایت پرسوز آواز سے) جاؤ ماں سے کہہ دو کہ میں جاؤں گا۔

(پردہ)

لاہور ۱۹۴۱ء

خاموش محبت

(ایک ایکٹ کا ڈرامہ)

کردار

(ڈرامے کے کردار فرضی ہیں)

ڈاکٹر ونود ——— ایک ڈاکٹر

مسٹر جگدیش ——— ڈاکٹر ونود کا ایک وکیل دوست

ڈاکٹر پرمیلا ——— ڈاکٹر ونود کی ہم جماعت اور لیڈی ولنگڈن ہسپتال کی ہوس سرجن

مس سہراب جی ——— ڈاکٹر پرمیلا کی ایک سہیلی

ڈاکٹر من موہن ——— سر رام چندر آئی سی ایس کا لڑکا اور ڈاکٹر ونود و ڈاکٹر پرمیلا کا ہم جماعت

نوکر ——— (سب کی عمر ۲۵-۲۶ سال کے لگ بھگ ہے)

پہلا سین

وقت . . . . شام کا دھندلکا

منظر:۔ لاہور کے مضافات میں ایک بازار کے کونے میں ڈاکٹر ونود کی دوکان۔ دوکان ایک معمولی ڈاکٹر کی دوکان ہونی چاہیئے دوکان میں میز کیساتھ والی کرسی پہ بازار۔ کی طرف منہ کئے ڈاکٹر ونود بیٹھا ہے۔ اور میز کی دوسری طرف اُس کا دوست مسٹر جگدیش۔ دونو بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

ونود۔ کہو جگدیش آج کتنے مؤکل پھنسے؟

جگدیش۔ مؤکل! (طنزاً ہنستے ہوئے) یہ تو ایسے ہی ہے۔ جیسے میں تم سے پوچھ لوں۔ کہ آج کتنے مریض دیکھے!

(دونو ہنستے ہیں)

ونود۔ اس طرح کب تک گزر ہوگا۔

جگدیش۔ جب تک ماں باپ کا اثاثہ ختم نہیں ہو جاتا۔

ونود:۔ اس عمر میں آخر ماں باپ سے مانگنا بھی تو کوئی اچھی بات نہیں۔

جگدیش:۔ لیکن مجبوری ہے۔

ونود۔ مجھے تو اکثر دوکان پر بیٹھے بیٹھے ایسا احساس ہوتا ہے۔ جیسے میں دنیا کو اور اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہوں۔ میرے لئے تو یہ پیشہ بیکاری کو چھپانے کے لئے محض ایک ڈھونگ بن کر رہ گیا ہے۔

جگدیش:۔ تمہارے لئے شاید ایسا ہی ہو۔ کیونکہ تمہیں یہاں سے معقول آمدن نہیں ہوتی۔ لیکن اس پیشے کے متعلق تم یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ آخر یہ ایک فن تو ہے۔ اس کا کوئی مقصد تو ہے۔ اور اگر کوئی چاہے۔ تو یہ خدمت خلق کا

بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔

ونود :۔ میں نے کئی بار یہ ارادہ کیا ہے۔ کہ ہندوستان کے دیہات میں جگہ جگہ دیکھوں اور بیماروں کا علاج کرتا پھروں۔ کھانے کو تو کہیں نہ کہیں سے کچھ مل ہی جائے گا۔ لیکن پھر خیال آتا ہے کہ علاج کے لئے دوائیاں کہاں سے آئیں گی۔ اور پھر گاؤں میں سوشل زندگی بھی تو ختم ہو جاتی ہے۔

جگدیش :۔ یہی تو میں کہتا ہوں۔ تمہارے دل کو تسکین دینے کے لئے ایک سہارا تو ہے۔ یہاں تو یہ بھی نہیں۔ وکالت ایک ایسا پیشہ ہے۔ جس کا کوئی مصرف نہیں۔ جس کا کوئی مقصد نہیں۔ اور جس کے نہ ہونے سے بھی دنیا قائم رہ سکتی ہے۔

ونود :۔ مقصد کیوں نہیں ؟ میرے خیال میں تو انفرادی طور پر لوگوں کے جھگڑے مٹانے کا یہ ایک آئینی طریقہ ہے۔ اگر عدالتیں اور وکیل نہ ہوں۔ تو لوگ آپس میں لڑ لڑ کر مر ہی جائیں۔ وکیل ہی تو انصاف کے نگہبان ہیں۔ تبھی تو اسے نہایت باعزت پیشہ کہا گیا ہے۔

جگدیش :۔ باعزت پیشہ! میں نے تو اپنے تین سال کے تجربے میں اسے اسکے بالکل برعکس پایا۔ جتنا جھوٹ اور جتنی دغا بازی اور مکاری اس پیشہ میں ہے، اور شاید ہی کسی جگہ ہو۔ جھگڑے نپٹانے کے بجائے لوگوں کو آپس میں لڑانے کا ایک آئینی طریقہ تم اسے ضرور کہہ سکتے ہو۔ اور یہ تمہیں کس نے بتایا۔ کہ وکیل انصاف کے نگہبان ہیں۔ انصاف تو اس مہاجنی دور میں اور چیزوں کی طرح بازار میں مول بکتا ہے۔ ہم وکیل انصاف کی منڈی کے دلال ہیں۔ ہماری

کمیشن اور انصاف کی جنس پر جو شخص مقابلتاً زیادہ قیمت ادا کرتا ہے وہی انصاف خرید سکتا ہے۔ کیا تمہیں مہذت دھیان چند کے مقدمے کا علم نہیں۔ وہ کس طرح قتل کر کے صاف نکل گیا۔

ونود :۔ اگر تمہارا ایسا ہی تجربہ ہے۔ تو تم اس پیشے کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے ؟

جگدیش :۔ یہ بھی مجبوری ہے۔ اور اس کے علاوہ ......

"ڈاکٹر ونود" ۔ باہر سے چٹھی رسان ڈاکٹر ونود کے نام چٹھی پھینکتا ہے جو جگدیش کے پاس ایک کرسی پر آ کر گرتی ہے۔ نیلگوں رنگ کا خوبصورت کراؤن بانڈ کا لفافہ۔ ونود جلدی سے اٹھ کر چٹھی اٹھا لیتا ہے اور پھر اُسے کھولتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنی کرسی پر جا بیٹھتا ہے۔ وہ چٹھی پڑھتا ہے اور پڑھتے ہوئے اُس کا چہرہ خوشی سے سُرخ ہو جاتا ہے — وہ کبھی کبھی مسکرا بھی دیتا ہے۔

چٹھی پڑھ کر اسے کوٹ کے اندرونی جیب میں رکھ لیتا ہے۔

جگدیش :۔ کس کی چٹھی ہے۔ جس نے آتے ہی جادو کا کام کیا۔ دم بھر میں تمہارے چہرے کی رنگت بدل ڈالی۔ جیسے تن مردہ میں جان ڈال دی ہو۔

ونود :۔ ویسے ہی!۔ ایک دوست کی ہے۔

جگدیش :۔ ہم بھی تو جانیں۔ آخر کس دوست کی ہے ؟ مجھ سے تمہارا کون دوست چھپا ہے ؟

ونود :۔ نہیں تم اُسے نہیں جانتے۔

جگدیش :۔ (منہ پھُلا کر) ویسے کہو بتانا نہیں چاہتے۔

ونود :۔ (مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے) تو تم تو ناراض ہو گئے۔

جگدیش :۔ ناراضگی کی کونسی بات ہے۔ تمہاری چیز ہے۔ دکھاؤ گے تو دیکھ لیں گے۔ ورنہ نہ سہی۔

ونود :۔ اچھا ایک شرط پہ بتاؤں گا۔

جگدیش :۔ ہوں!

ونود :۔ اسے اپنے تک ہی محدود رکھنا۔

جگدیش :۔ آگے بھی تم نے کبھی کوئی شکایت سُنی۔ وہ ڈاکٹر پہ میلا والی بات کو ہی لو۔

ونود :۔ (آہستہ سے) اُسی کی تو چِٹھی ہے

جگدیش :۔ تبھی چھپاتے تھے۔ کیا لکھا ہے اُس نے؟ شکر ہے تمہاری بھی خدا نے سُنی۔

ونود :۔ وہ لاہور آ رہی ہے۔

جگدیش :۔ کب؟

ونود :۔ کل شام کی گاڑی سے۔ اُسے یہاں لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں ہو س سرجن کی جگہ مل گئی ہے۔

جگدیش :۔ کیا اُس نے تمہیں سٹیشن پہ ملنے کے لئے لکھا ہے؟

ونود :۔ صاف الفاظ میں تو نہیں لیکن چٹھی لکھنے کا آخر اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ وہ مس سہراب جی کے ساتھ آ رہی ہے اور مجھے مس سہراب جی کی کوٹھی اپنی نگرانی میں صاف کروانے کے لئے لکھا ہے۔

جگدیش :۔ یہ مس سہراب جی کون ہیں؟

ونود :۔ مس سہراب جی پرمیلا کی ایک گہری سہیلی ہے۔ کالج کے ایام میں بھی وہ اُس کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ لیمنگڈن روڈ پہ اُس کا اپنا بنگلہ ہے۔

جگدیش :۔ کیا وہ بھی کالج میں تمہارے ساتھ ہی پڑھتی تھی؟

ونود :۔ نہیں تو۔ وہ اُن دنوں ایم۔ اے میں پڑھتی تھی۔ اور اپنے بھائی کے ساتھ لیمنگڈن روڈ پہ رہتی تھی۔ آجکل اُس کا بھائی شاید بمبئی گیا ہوا ہے اس لیے کوٹھی میں نوکروں کے سوا اور کوئی بھی نہیں۔

جگدیش :۔ کیا اُسی کوٹھی کو صاف کروانے کا کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے؟

ونود :۔ (مسکراتے ہوئے) جی ہاں!

جگدیش :۔ بڑے خوش قسمت ہو داروغہ جی۔

ونود :۔ تمہیں تو بس مذاق ہی کی سوجھتی ہے۔

جگدیش :۔ اور تمہیں اس وقت کوٹھی صاف کروانے کی۔ بہرحال اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم کل سارا دن مصروف رہو گے۔

ونود :۔ یقیناً۔ اوّل تو میں ابھی کوٹھی جاؤں گا۔ اور کل تو صبح بھر صفائی ہو گی اور شام کو سٹیشن جانا ہو گا۔ اگر کہیں سے کل شام کے لئے کسی کی موٹر مل جائے

تو خوب رہے ورنہ ٹیکسی پر ہی اکتفا کرنی پڑے گی. لیکن اسے اگھبراہٹ سے؛
میرے پاس تو آجکل کوئی پیسہ بھی نہیں.

جگدیش :- (قہقہہ لگاتے ہوئے) واہ رے میاں عاشق. جیب میں پیسہ نہیں
اور چلے عشق کرنے ڈاکٹر پرمیلا کے ساتھ. خوب!

ونود :- (غصے سے) مجھے تم سے ہرگز ایسی امید نہ تھی بجائے مدد کے تم
الٹا میرا مذاق اڑا رہے ہو۔

جگدیش :- مذاق نہیں اڑا رہا ونود. تمہاری مدد کے لئے تو میری جان تک
حاضر ہے. ٹیکسی کا بھی تم کوئی فکر نہ کرو. میرے پاس پانچ روپے ہیں. جو تم لے
سکتے ہو. لیکن میں پوچھتا ہوں آخر یہ ظاہرداری کب تک نبھے گی. مجھے تو
تمہارے اس نرالے عشق کی سمجھ نہیں آتی۔

ونود :- میں تمہارا کس منہ سے شکریہ ادا کروں جگدیش. تم کتنے اچھے ہو لیکن یہ سمجھ
نہ آنے والی بات تمہارے بس کی نہیں. جس تن لاگے سو ئی تن جانے. پریت
کا روگ ہر کوئی کیسے جانے۔

جگدیش :- (طنزاً) پریت کا روگ! میں تو آجتک اسے سمجھنے سے قاصر ہوں.
میرے خیال میں تو یہ کسی دماغی بیماری کا نام ہے. اور اگر سچ پوچھو. تو میں تو
اسے جنسی بھوک کی ایک علامت سمجھتا ہوں. اس کا صرف ایک ہی علاج
ہے. کسی عورت کے پاس جاکر اپنی جنسی بھوک مٹا ڈالو. تو یہ روگ دور ہو
جاتا ہے. اور دماغ صاف ہو جاتا ہے۔

ونود :- تم تو اپنی عادت کے موافق ہذیان بک رہے ہو. تمہارے جیسا

مادہ پرست بھی میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ تم محبت جیسے لطیف جذبے کی تحقیر
کر رہے ہو۔ تم اس احساس کو کیا جانو۔ اس کے تاثرات تو اُس شخص سے پوچھو جو
اس جذبے سے متاثر ہوا ہو۔ یہ ایک روحانی جذبہ ہے۔ اور ایک لافانی رشتہ جو
دو روحوں کو ایک دوسرے میں منسلک کر دیتا ہے۔ ایک لطیف احساس جو
روح کو خلد بریں تک پہنچا دیتا ہے۔ اس سے متاثر ہو کر انسان انسان نہیں
رہتا۔ وہ خدا کا ایک حصّہ بن جاتا ہے۔ آتما پرماتما میں ملجاتی ہے۔

جگدیش :۔ چھی ۔ چھی ۔ عورت اور مرد کے رشتے میں تم خدا، روحانیت، خلد بریں
اور نہ جانے کیا کیا لے آئے۔ سیدھی سی بات ہے کہ ہر نوجوان مرد اور ہر جوان
عورت کو ایک دوسرے کی خواہش ہوتی ہے۔ اسی خواہش کو لوگوں نے محبت
کا نام دے دیا ہے۔ اب اگر ایک خاص مرد کو ایک خاص عورت سے "محبت"
ہو جائے۔ اور وہ عورت اُسے کسی نہ کسی وجہ سے نہ ملے تو۔ اُس کی محبت نہایت
شدید ہو جاتی ہے۔ اور بعض حالتوں میں تو پاگل پن کے درجے تک پہنچ جاتی
ہے۔ کیونکہ یہ ایک نفسیاتی اصول ہے۔ کہ انسان کو جس کام سے منع کیا جائے
اُسے اُس سے خو ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات اُسے حاصل کرنے کے لئے تو
وہ اپنی جان بھی کھو دیتا ہے۔ تم ہی بتاؤ۔ کہ اگر ایسا نہیں۔ تو تمہیں کسی مرد سے
محبت کیوں نہیں۔ تم ایک عورت کے پیچھے کیوں بھاگے "پھرتے" ہو۔

ونود :۔ میں یہ کب کہتا ہوں۔ کہ مرد کو مرد سے محبت نہیں ہو سکتی یہ تو محض
ایک اتفاق ہے۔ کہ مجھے ایک عورت سے محبت ہے۔

جگدیش :۔ یہ اتفاق نہیں۔ بلکہ ایک قدرتی اصول ہے۔ تم اسے روحانیت کہہ

اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو۔ مجھے تو حیرانی اس بات کی ہے۔ کہ تم ایک ڈاکٹر ہو کر اس طرح کی مہمل باتیں کر رہے ہو۔ تمہیں تو ہر ایک چیز سائنٹفک نکتہ نگاہ سے دیکھنی چاہیئے۔

ونود :۔ میں ڈاکٹر ہوں۔ انسان کے جسم کی بیماریوں کو سمجھتا ہوں روح کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ سائنس کا جذبات میں کیا دخل ؟

جگدیش :۔ تمہارے دماغ میں ضرور کچھ فتور ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ کبھی اُسکے سامنے بھی اپنی محبت کا اظہار کیا۔

ونود :۔ وہ عشق ہی کیا جس کا اظہار زبان سے ہو۔

جگدیش :۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا اُسے اپنے مجنوں کے عشق کا علم بھی ہے یا نہیں۔

ونود :۔ میں کیا جانوں۔

جگدیش :۔ عجب انسان ہو یار تم تین سال سے اُس کی محبت میں سرگرداں پھر رہے ہو۔ ان تین سالوں میں تم دو سال کالج میں اسکے ساتھ رہے لیبارٹری میں ہمیشہ اُس کے پاس اور جماعت میں بھی ہمیشہ اکٹھے۔ لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ اُسے تمہاری محبت کا علم بھی ہے۔ یا نہیں یہ بھی محبت کی کوئی نئی ہی قسم ہے۔ جو میں نے آجتک نہیں سُنی کیا کہا تھا تم نے ... بھولنے ... ہاں۔ ہاں ! ... روحانی محبت ....

ونود :۔ بے شک روحانی محبت۔ اس میں ہنسنے کی کونسی بات ہے دراصل سچی محبت ہمیشہ روحانی ہوا کرتی ہے۔ مجھے بھی اُس سے پاک محبت ہے۔

تمام آلائشوں سے پاک۔ میرا مقصد یہ نہیں۔ کہ میں ہر وقت سینے پر ہاتھ رکھ کر پکارتا پھروں "مجھے تم سے محبت ہے" "میں تم پر مرتا ہوں" "تمہارے بغیر میں ایک پل بھی نہیں کاٹ سکتا"! میرا کام صرف محبت کرنا ہے۔ بے لوث محبت میں اُس شمع کی طرح ہوں۔ جو خاموش جلتی ہے۔ اور جل کر راکھ ہو جاتی ہے لیکن شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاتی۔

جگدیش :۔ لیکن اسکے باوجود تم اُسے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیا تمہاری محبت کی تکمیل شادی نہیں۔

ونود :۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ میں اُسے حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن میری محبت مشروط نہیں۔ میں حاصل کئے بغیر بھی اُس سے محبت کر سکتا ہوں۔ اور نہ ہی شادی میری محبت کی تکمیل ہے۔ میری محبت شادی کے بعد بھی اُسی طرح زندہ رہیگی۔

جگدیش :۔ لیکن اگر تم اُسے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو بغیر اظہار کے یہ کیسے ہو سکیگا۔؟ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا۔ تو اظہار کئے بغیر کبھی نہ رہتا۔ اگر مان جاتی تو اچھا۔ ورنہ ہم کسی اور کی تلاش کرتے۔

ونود۔ تم محبت نہیں کر سکتے جگدیش۔ اصلی محبت میں اظہار کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ اگر میری محبت سچی ہے۔ تو اُسے متاثر کئے بغیر کبھی نہیں رہ سکتی۔ اور اگر اسپر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تو ضرور میری محبت میں کچھ نقص ہے۔ مجھ میں اتنی شکتی نہیں۔ کہ محبت کر سکوں۔ محبت ایک مہا شکتی ہے۔ ایک مقناطیسی کشش مقناطیس نے کبھی لوہے سے یہ نہیں کہا کہ تم میری طرف آؤ۔ اگر مقناطیس میں مناسب طاقت ہو تو لوہا خود بخود اُسکی طرف کھچا آتا ہے۔

جگدیش :- یہ بھی خوب کہا معشوق نہ ہوا۔ لوہے کا ایک ٹکڑا ہو گیا۔ بہرحال یہ تجربہ بھی دیکھنے کے قابل ہو گا۔ لیکن مجھے تو ابھی تک اُن کی طرف سے کچھ اچھے آثار دکھائی نہیں دیتے۔

ونود :- اگر اسپر کوئی اثر نہ ہوتا۔ تو وہ مجھ کو یہ چھٹی ہی کیوں لکھتی۔ اور بھی تو اُس کے کئی ایک ہم جماعت تھے۔ کسی اور کو لکھ دیا ہوتا۔ اور پھر ذرا غور سے دیکھو۔

(چھٹی نکال کر دکھاتا ہے)

اُس نے مجھے لکھا ہے "ڈیر ڈاکٹر ونود" اور چھٹی کو بند کرتے ہوئے لکھتی ہے۔ "یورز (Yours) پرمیلا" اور پھر یہ فقرہ پڑھو۔ (پڑھ کر سناتا ہے)

مس سہراب جی نہیں چاہتی تھیں۔ کہ یہ تکلیف تمہیں دی جائے۔ لیکن میں نے اُسے بتایا۔ کہ ونود میری خاطر سب کچھ کر سکتا ہے۔ سب کچھ!"

دیکھا تم نے۔ ہندوستانی ماحول میں ایک لڑکی ہر ایک کو ایسے تھوڑی لکھتی ہے۔ گو یہ چھوٹی سی بات ہے۔ لیکن مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے اس میں میری زندگی کا راز پوشیدہ ہو۔

جگدیش :- (زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے) تم کتنے سادہ لوح ہو میرے دوست مجھے تو وہ لڑکی سخت چالاک معلوم ہوتی ہے۔ اور میری رائے میں وہ تمہیں اُلو بنا رہی ہے۔ وہ یہ جانتی ہے۔ کہ تم اُس کے چاہنے والوں میں سے ہو۔ اس بات کا فائدہ اٹھا کر وہ تمہیں اسطرح کے ذلیل کام کرنے کو کہتی ہے۔ کوٹھی صاف کرواؤ۔ جیسے تم کمیٹی کے داروغہ ہو۔

ونود:۔ وہ تو کیا میرا اُتو بنائے گی۔ تم ضرور مجھے بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اچھا اب بند کرو۔ اس بکواس کو۔ مجھے تو ابھی کوٹھی بھی جانا ہے۔

جگدیش:۔ (ہنستے ہوئے) ہاں بھائی ڈاکٹر پرمیلا کے لئے کوٹھی صاف کروانا تو ضروری ہے۔

ونود:۔ (کرسی پر سے اٹھتے ہوئے) شٹ اپ ناؤ۔ ادھر لاؤ وہ پانچ روپے

جگدیش:۔ اوہو! میں تو بھول ہی گیا تھا۔ ہمارے عاشق صاحب کو ٹکسی کی ضرورت ہے (جیب میں سے بٹوا نکال کر پانچ روپے کا نوٹ ونود کو دیتا ہے) لیجئے صاحب پانچ روپے۔

ونود:۔ (نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے) تھینک یو۔

جگدیش:۔ اچھا بھائی! اب چلیں۔ دو تین دن بعد ملیں گے۔ اور تب ہی تمہاری کامیابی کی داستان بھی سن لیں گے۔ لیکن میری ایک بات ضرور یاد رکھنا۔ کہ پریت کا روگ امیروں کا روگ ہے۔ بیکار امیروں کا۔ بیکار ڈاکٹروں کا نہیں۔ اچھا گڈ بائی۔

ونود:۔ گڈ بائی۔

جگدیش جاتا ہے۔

(پردہ)

دُوسرا سین

وقت۔ تقریباً پانچ بجے شام۔

منظر: لیمنگٹن روڈ پر مس سہراب جی کی کوٹھی۔ اگر ممکن ہو تو کوٹھی کی چار دیواری لان اور اس کا اندرونی حصہ سب سٹیج پر نظر آ جائے۔

شام کے وقت کوٹھی کے باہر ایک موٹر ٹیکسی آ کر ٹھہرتی ہے (اگر ہو سکے تو کوٹھی کے اندرونی حصے کے باہر) ٹیکسی میں سے ڈاکٹر پرمیلا، مس سہراب جی اور ڈاکٹر ونود باہر نکلتے ہیں۔ ڈاکٹر ونود ڈرائیور کو کرایہ ادا کرتا ہے۔ اور پھر تینوں کوٹھی میں داخل ہوتے ہیں۔

ڈرائنگ روم جدید طریقے سے سجا ہوا ہونا چاہیئے۔ قالین۔ صوفے۔ مینٹل پیس پر مس سہراب جی کی فیملی تصویریں۔ اور ایک خوبصورت چوکور گھڑی۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر خوبصورت پردے۔ کمرے کے وسط میں اخروٹ کی لکڑی کی کشمیری کام والی ایک خوبصورت میز۔ وغیرہ وغیرہ۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر مس سہراب جی اور ڈاکٹر پرمیلا ایک صوفے پر بیٹھ جاتی ہیں۔ ڈاکٹر ونود کھڑا رہتا ہے۔

ڈاکٹر پرمیلا۔ بیٹھیے نہ مسٹر ونود۔ میں آپ کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں آپ اتنے مہربان ہیں۔

ڈاکٹر ونود:۔ (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) - آپ تو مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ شکریہ کس بات کا؟

مس سہراب جی۔ آپ کو ہماری خاطر بہت تکلیف ہوئی۔ اگر صرف نوکروں کے بس میں ہوتا۔ تو تین دن تک کوٹھی رہائش کے قابل نہ ہوتی۔

ڈاکٹر ونود:۔ اب بھی تو سارا کام نوکروں ہی نے کیا ہے میں تو محض کھڑا دیکھتا گیا

مس سہراب جی :۔ یہ کام بھی تھوڑا نہ تھا۔ میں واقعی آپ کی احسان مند ہوں۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ اوگڈنیس! میں بھی کتنی لاپرواہ ہوں۔ ہسپتال میں کل میری ڈیوٹی ہے۔ اور مجھے ابھی تک ڈیوٹی کے اوقات کا بھی علم نہیں۔

مس سہراب جی :۔ لاپرواہ تو تم ہو ہی۔ اب تھوڑی دیر آرام کر لو تو پھر سیپر کو ادھر ہی چلی چلیں گی۔ اور یہ کام بھی ہو جائیگا۔

ڈاکٹر ونود :۔ آپ کہاں جائیں گی اتنی دُور۔ اور پھر اتنے لمبے سفر کے بعد۔ میں تھوڑی ہی دیر تک اس امر کی اطلاع آپکو دے جاؤنگا۔

ڈاکٹر پرمیلا۔ نو ڈاکٹر۔ تھینک یو۔ آپ اتنی تکلیف کہاں کریں گے ہم خود ہی چلی جائینگی۔ اور پھر آپ کے مریض بھی تو مطب میں آپ کا انتظار کر رہے ہونگے۔

ڈاکٹر ونود :۔ مریض تو روز ہی دیکھتے ہیں۔ آج اتنی مدت کے بعد آپ ملی ہیں کیا آپ کا اتنا سا کام بھی نہ کر سکونگا۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ آپ کتنے اچھے ہیں۔ مجھ پر احسان پر احسان چڑھائے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر ونود :۔ اچھا تو مجھے اجازت دیجئے۔ میں تقریباً آدھ گھنٹے تک آپ کو اطلاع دونگا۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ تکلیف تو آپ کو بہت ہوگی۔ لیکن آپ کسی نوکر کے ہاتھ اطلاع بھیجدیں۔ اور پھر اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔

ڈاکٹر ونود :۔ بہر حال آپ کو اطلاع ملجائے گی۔ اچھا نمستے۔
ڈاکٹر پرمیلا :۔ نمستے۔
مس سہراب جی :۔ نمستے۔

ڈاکٹر ونود جاتا ہے

مس سہراب جی :۔ تمہیں کام نکالنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے۔ پرمیلا
ڈاکٹر پرمیلا :۔ ہنستی ہے۔
مس سہراب جی :۔ آدمی بھلا ہے۔ تمہارا ڈاکٹر ونود۔ خوش خلق اور با مروت
ڈاکٹر پرمیلا :۔ بدھو ہے۔ نرا بدھو۔
مس سہراب جی :۔ بڑی ناشکر گذار ہو تم۔ ایک تو بیچارے نے مفت ہیں تمہارے لئے زحمت ہیڑی اور دوسرے بدھو بنا۔
ڈاکٹر پرمیلا :۔ مفت ہیں نہیں۔ تمہیں شاید علم نہیں۔ کہ آپ بھی میرے چاہنے والوں میں سے ہیں۔ گو الفاظ میں اُس نے اس بات کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ لیکن کہیں عشق بھی چھپانے سے چھپتا ہے۔
مس سہراب جی :۔ اور تم یہ جانتے ہوئے بھی اُس کی محبت کا اپمان کر رہی ہو۔ تمہیں کسی کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے شرم آنی چاہیئے
ڈاکٹر پرمیلا :۔ اچھا تم ہی بتاؤ۔ کہ اگر وہ میرا کوئی کام کرنے پر بضد ہو تو میں کیا کروں۔ مجھے اپنا کام نکالنے میں کیا نقصان ہے۔
مس سہراب جی :۔ اگر تم اُس کو نہیں چاہتی۔ تو موقعہ پاکر اُسے بتا دو۔ کہ تمہیں اُس سے محبت نہیں۔

ڈاکٹر پر میلا :۔ کیسے کہوں۔ وہ موقعہ بھی تو دے۔ اُس نے تو کبھی مجھ سے محبت کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اور پھر ویسے بھی تو اگر بھنوروں کی طرح دو تین آدمی میرے اِرد گرد منڈلاتے رہیں۔ تو اس سے مجھے کچھ لطف سا محسوس ہوتا ہے۔ اپنی خوبصورتی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اور اپنے آپ میں عورت کی طاقت کا غرور بھی محسوس کرتی ہوں۔

مس سہراب جی :۔ (طنزاً) عورت کا غرور۔ جیسے زلیخا تم ہی ہو۔ مجھے تو تمہارے یہ طریقے پسند نہیں۔

ڈاکٹر پر میلا :۔ پسند چاہے نہ ہوں۔ لیکن فطرت تو تمہاری بھی یہی ہے بلکہ ہر عورت کی۔

مس سہراب جی :۔ غلط بات۔

ڈاکٹر پر میلا :۔ اور اگر میں تمہارے چاہنے والوں کی فہرست ابھی سے سنا دوں تو۔

مس سہراب جی۔ لیکن میں نے تو کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا۔ کسی کی محبت کا ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھایا۔ اور پھر میری تو اب سگائی بھی ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر پر میلا :۔ تو تمہارا کیا مطلب ہے۔ کہ میں بھی ڈاکٹر ونود سے سگائی کر لوں۔

مس سہراب جی :۔ کیا حرج ہے۔

ڈاکٹر پر میلا :۔ لیکن فائدہ بھی کیا ہے؟

مسز سہراب جی :- محبت بھی کوئی جنس ہے جس سے تم فائدہ ڈھونڈتی ہو۔ ڈاکٹر ونود تمہیں دل سے محبت کرتا ہے۔ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں۔

ڈاکٹر پرمیلا :- ہرگز نہیں۔ معلوم نہیں تم لوگوں نے محبت کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ کیا محبت کسی کی کوئی بھوک مٹا سکتی ہے۔ اگر جذبات کو برانگیختہ کر کے پاگل پن کی حد تک پہنچنے کو ہی محبت کہتے ہیں۔ تو میں ایسی محبت سے باز آئی۔ مجھے شادی سے جذبات نہیں چاہئیں۔ مجھے تو شادی سے صرف دو چیزیں درکار ہیں۔ دو ٹھوس چیزیں۔ ایک سیکس اور دوسرے سماج میں اونچا درجہ۔ زندگی کے تمام لوازمات اور جاہ و حشمت۔ ونود کے پاس صرف جذبات ہیں۔ ایک نیا ڈاکٹر۔ ایک کلرک کا بیٹا مجھے جذبات کے سوا اور کیا دے سکتا ہے۔

مسز سہراب جی :- لیکن یہ چیزیں بھی تو تمہیں صرف وہی دے سکتا ہے۔ جو تمہیں چاہتا ہو۔ جسے تم سے انس ہو۔ تم نے ڈاکٹر منموہن کو بھی تو اپنے آنے کی اطلاع دی تھی۔ اس نے تو سٹیشن تک آنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی۔

ڈاکٹر پرمیلا :- وہ کیوں آتا۔ اُسے میری جیسی اور کئی لڑکیاں مل سکتی ہیں۔ ہے تو وہ بھی ایک نیا ڈاکٹر ہی لیکن وہ سر رامچندر آئی سی ایس کا اکلوتا لڑکا ہے۔ سماج میں اُس کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ منموہن میری سب ضروریات مہیا کر سکتا ہے۔ اسی لئے تو میں اُس سے شادی کرنا چاہتی

ہوں - اگر تم چاہو - تو کہہ سکتی ہے - کہ مجھے اُس سے محبت ہے - اور بھی کئی
لڑکیاں اُسے پھانسنے کی فکر میں ہیں - لیکن اُسے صرف ایک عورت کی
ضرورت ہے - یہ تو مقابلہ ہے - اگر میں اپنے داؤ پیچ سے کامیاب ہو گئی تو
اچھا - ورنہ میں کب اس پہ جان دیتی ہوں - وہ نہ سہی - اُس جیسا کوئی
اور سہی -

مس سہراب جی - (خشمگی سے) یہ تم کیا کہہ رہی ہو پرمیلا - تمہارے
اخلاق کو کیا ہو گیا -

ڈاکٹر پرمیلا - (غصے سے) سچ کہنے پر تم نے مجھے اخلاق کا برا کر دیا حالانکہ میں
وہی کہہ رہی ہوں - جو تم نے کر کے دکھایا - فرق صرف اتنا ہے - کہ تم اپنے آپ کو
دھوکا دے رہی ہو - اور میں صاف الفاظ میں اپنے دل کی بات کہہ رہی ہوں - بھلا
تم نے سیٹھ نار وجی کو کیوں پسند کیا - اور غریب رستم جی کو کیوں دھتکار دیا -
بتاؤ گی مجھے - آخر اُسے بھی تو تم سے محبت تھی -

مس سہراب جی - (کرسی پر سے اُٹھتے ہوئے) اچھا تم جانو - تمہارا کام -
میں جاتی ہوں - آج رات کے کھانے کا بھی تو انتظام کرنا ہے - (مس سہراب جی
اٹھ کر دوسرے کمرے میں جاتی ہے)

ڈاکٹر پرمیلا اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگتی ہے - پھر خود ہی گنگنانے لگتی ہے -

ڈاکٹر پرمیلا - کیا ڈاکٹر منموہن سچ مچ نہیں آئے گا - میں نے تو اُسے کوٹھی کا
پتہ بھی لکھ دیا تھا - شاید کوئی ضروری کام ہو - شاید ابھی آ ہی جائے لیکن میری
کیا حالت ہو رہی ہے - چہرے پر سے سفر کی دھول اڑ رہی ہے (ہینڈ بیگ سے

شیشہ نکال کر دیکھتے ہوئے، آف کیا شکل ہے۔ اسی بل بوتے پر جیتو گی اسے ڈاکٹر پرمیلا (ہینڈ بیگ سے کنگھی نکال کر بالوں کو ٹھیک کرتی ہے۔ پھر پاؤڈر، لپ سٹک وغیرہ سے ڈریسنگ کرتی ہے)۔ (ڈریسنگ کرتے ہوئے) مجھے کہتی تھی بد اخلاق۔ میں نے بھی منہ توڑ جواب دیا۔ تو جی ونود سے شادی کر لو (ہنستے ہوئے) اور اس کی باعصمت بیوی بن جاؤ۔ برتن مانجھو روٹی بناؤ۔ گھر کی صفائی کرو۔ بچے جنو اور پھر انہیں پالو۔ یہی تو محبت کی نشانی ہے۔ محبت۔ محبت۔

(کھلکھلا کر ہنستی ہے)

اتنے میں باہر سے نوکر آتا ہے۔ اور ایک وزیٹنگ کارڈ پیش کرتا ہے۔

نوکر۔ بی بی جی۔ ایک آدمی آپ سے ملنے آئے ہیں۔

ڈاکٹر پرمیلا:۔ (کارڈ دیکھتے ہوئے) کون؟ ڈاکٹر منموہن۔ ہاں! ہاں! آنے دو۔ آنے دو۔ اور دیکھنا نہایت عزت سے پیش آنا (دبی زبان سے) آخر آ ہی گئے ......

نوکر واپس جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر پرمیلا جلدی سے ڈریسنگ ختم کرتے ہوئے صوفے پر جا بیٹھتی ہے۔

(ڈاکٹر منموہن کمرے میں داخل ہوتا ہے)

ڈاکٹر منموہن۔ نمستے پرمیلا۔ مجھے معاف کرنا سٹیشن پر نہیں پہنچ سکا۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔

ڈاکٹر پرمیلا:۔ آپ بیٹھئے تو۔ میں نے بھی یہی اندازہ لگایا تھا۔ کہ کوئی ضروری

کام ہی ہو گا۔ ورنہ رکنے والے تو آپ بھی نہ تھے۔
ڈاکٹر منموہن :۔ (صوفے کی ساتھ والی اور ڈاکٹر پرمیلا کی طرف کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے) میں یونہی پتاجی کے ساتھ کسی کو ملنے چلا گیا تھا۔ اور وہاں دیر ہو گئی۔
ڈاکٹر پرمیلا :۔ معمولی بات ہے۔ اور ویسے سٹیشن پر جانا بھی تو ایک رسمی سی بات ہے۔
ڈاکٹر منموہن :۔ ہاں ہے تو محض تکلف ہی۔ اچھا سفر کی کہئیے۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔
ڈاکٹر پرمیلا :۔ یہ سفر تو بڑے آرام سے کٹا مس سہراب جی بھی میرے ساتھ ہی آئی ہیں۔
ڈاکٹر منموہن :۔ (کمرے میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے) مس سہراب جی!
ڈاکٹر پرمیلا :۔ ہاں! وہ ابھی آرام کرنیکے لئے ساتھ کے کمرے میں گئی ہیں
ڈاکٹر منموہن :۔ اور آپ آرام نہیں کر رہیں۔
ڈاکٹر پرمیلا :۔ مجھے آپ کا انتظار جو تھا۔
ڈاکٹر منموہن :۔ اوہو! اور ہاں میں آپ کو مبارک باد دینی تو بھول ہی چلا تھا۔
ڈاکٹر پرمیلا :۔ مبارک باد! کس بات کی؟
ڈاکٹر منموہن :۔ لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں ہوس سرجن بننے کی۔
ڈاکٹر پرمیلا :۔ واہ! یہ بھی کوئی بات ہے۔
ڈاکٹر منموہن :۔ تو اور کیا کم ہے۔ آخر ہم کیوں نہ بنگئے ہوس سرجن۔

ڈاکٹر پرمیلا :آپ نے پرواہ ہی نہ کی ہوگی۔ ورنہ یہ کونسی مشکل بات تھی۔

ڈاکٹر منموہن :۔ ہمارے گروپ کی لڑکیوں میں سے اور کون بنی ہیں مُوس سرجن۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ (ذرا شرماتے ہوئے لیکن فخریہ لہجے میں) لڑکیوں میں سے تو شاید میں ہی ہوں۔

ڈاکٹر منموہن :۔ میں پہلے ہی کہا کرتا تھا۔ کہ تم اُن سب سے قابل ہو۔ (آہستہ سے) اور خوبصورت بھی۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ (آخری الفاظ کو نظر انداز کرتے ہوئے) بھئی مجھے تو وہ کالج کے دن کبھی نہیں بھولتے۔

ڈاکٹر منموہن :۔ خوب تھے وہ دن۔ میرا تو کالج سے باہر نکلنے کو دل ہی نہ چاہتا تھا۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ آخر یہ کیوں ؟ کالج تھا۔ کہ اندر کا اکھاڑہ۔

ڈاکٹر منموہن :۔ اندر کا اکھاڑہ تو نہ تھا لیکن ایک پری نے کالج میں ضرور بسیرا کر لیا تھا۔

ڈاکٹر پرمیلا ۔ کون تھی وہ پری۔

ڈاکٹر منموہن :۔ اب اُس پری نے لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں بسیرا کر لیا ہے۔

(دونوں ہنستے ہیں)

ڈاکٹر پرمیلا :۔ تمہیں یاد ہے۔ جب ہم نے امتحان کے بعد ایک رات الوداعی مون لائٹ پارٹی کی تھی۔ شالامار باغ میں۔

ڈاکٹر منموہن :۔ وہ پارٹی کیسے بھول سکتی ہے۔ اس دن شاید تم مس سہراب جی کو بھی ساتھ لائی تھیں۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ ہاں۔ لیکن وہ تو تمہارے دوست منوہر سپالیتی رہی کہ اور کسی سے بات تک نہ کی۔

ڈاکٹر منموہن :۔ (ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے) وہ چاندنی رات مجھے کبھی نہ بھولے گی۔ اس رات چاند کی چاندنی میں جب تم میرے ساتھ شالامار باغ کی ایک روش میں ٹہل رہی تھیں۔ تو مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے چاند زمین پر اتر آیا ہو۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ چاند زمین پر اتر آیا تھا کیا۔ پکڑ کیوں نہ لیا تم نے ؟

ڈاکٹر منموہن :۔ پکڑتا کیسے ؟ وہ تو ایک چھلاوے کی طرح تھوڑی دیر بعد کہیں غائب ہو گیا۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ تمہاری آنکھوں نے کہیں سراب تو نہیں دیکھا۔

ڈاکٹر منموہن :۔ ہوں ہوں! میں نے خود اس چاند کو ان ہاتھوں سے چھوا۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ اسے پھر ڈھونڈنے کی بھی کوشش کی ہوتی۔

ڈاکٹر منموہن :۔ بڑی کوشش کی۔ آخر آج کامیاب ہوا۔ چاند پھر زمین پر آ رہا۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ (ہنستے ہوئے) بڑے شیطان ہو تم۔

دونوں ہنستے ہیں

ڈاکٹر منموہن :۔ پرمیلا۔ تمہارے ہاتھوں کی مخروطی انگلیوں سے تو یہ ظاہر

ہوتا ہے۔ کہ تم آرٹسٹ ہو۔ تم ڈاکٹر کیسے بن گئیں۔

ڈاکٹر پرمیلا :۔ (اپنا ہاتھ اُسکے ہاتھ میں دیتے ہوئے) اچھا بھلا دیکھو تو۔ میرے ہاتھ سے اور کیا ظاہر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر منموہن :۔ (ہاتھ کو دباتے ہوئے) کتنا خوبصورت ہاتھ ہے کتنا سڈول اور نرم لیکن میں نے سنا ہے۔ جس عورت کے ہاتھ نرم ہوں اس کا دل پتھر کی طرح ہوتا ہے

ڈاکٹر پرمیلا :۔ (خفیف سی ہنسی ہنستے ہوئے) ہوں اہوں!

اتنے میں دروازے پر ڈاکٹر ونود آجاتا ہے۔ اُسے منموہن کے آخری الفاظ سنائی دیتے ہیں۔ اور پرمیلا کا ہاتھ منموہن کے ہاتھوں میں دیکھکر اُسکے چہرے پر زردی چھا جاتی ہے۔ تذبذب کی حالت میں وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ وہ پرمیلا کو اُسکے ڈیوٹی کے اوقات کی اطلاع دے۔ یا بغیر اطلاع دیئے ہی واپس مڑ جائے۔ اسی حالت میں ڈاکٹر منموہن کی آواز پھر اس کے کانوں میں آتی ہے۔

ڈاکٹر منموہن :۔ تم کتنی سندر ہو۔

ڈاکٹر ونود آخری فیصلہ کر کے واپس مڑتا ہے لیکن دروازے کے ساتھ اُس کا پاؤں اٹک جاتا ہے۔ اس آواز سے منموہن اور پرمیلا دونوں چونک پڑتے ہیں۔ منموہن جلدی سے پرمیلا کا ہاتھ چھوڑ دیتا ہے جو ایک بے جان شاخ کی طرح صوفے پر جا گرتا ہے۔

ڈاکٹر منموہن :۔ ہو ڈو یو ڈو مسٹر ونود۔

ڈاکٹر پرمیلا :- (ڈاکٹر ونود کی طرف خشم آلود آنکھوں سے دیکھتے ہوئے) کیوں ڈاکٹر ونود کیا بات ہے۔ تم سائے کی طرح میرے پیچھے کیوں پڑے ہو۔

ڈاکٹر ونود :- (گھبرا کر) لیکن ...... میں ...... تو آپ کو صرف یہ اطلاع دینے آیا تھا۔ کہ آپ کی ڈیوٹی صبح آٹھ بجے سے شروع ہوتی ہے۔ آپ نے ہی تو دریافت کرنے کے لئے کہا تھا۔

ڈاکٹر پرمیلا :- لیکن یہ آپ مجھے صبح بھی بتا سکتے تھے۔ کیا آج آپ کو اپنا کوئی کام نہیں۔

ڈاکٹر ونود :- (آہستہ سے) میں جا ہی رہا تھا۔

ڈاکٹر پرمیلا :- اچھا تو پھر ......

(ڈاکٹر ونود جاتا ہے)

ڈاکٹر منموہن :- (دبی زبان سے) میں نے یہی تو کہا تھا کہ بڑی پتھر دل ہو تم۔

ڈاکٹر ونود کوٹھی کے اندرونی حصے سے باہر نکل کر آہستہ آہستہ باہر جاتا ہے۔ اور منہ میں گنگناتا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ونود :- کیا جگدیش سچ کہتا تھا۔ کہ پرمیلا میرا اُلّو بنا رہی ہے لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دل نہیں مانتا۔ نہیں نہیں اس میں اُسکا کوئی قصور نہیں۔ میرے ہی پریم میں ابھی اتنی شکتی پیدا نہیں ہوئی کہ میں اس کے قابل بن سکوں۔ مگر اُس نے تو آج میرا اپمان کیا ہے۔ اور ڈاکٹر منموہن کے سامنے۔ اپمان ...... اپمان ...... میں یہ کیا کہہ رہا ہوں۔

میری محبت کا بھلا کون اپمان کر سکتا ہے ۔ میری محبت اٹل ہے ۔ اور کبھی نہ ختم ہونے والی میرا فرض ہے " نشکام بھاؤ سے محبت کرنا " اور بس .... لیکن ...... لیکن ۔

(اس دوران میں ڈاکٹر ونود کوٹھی کی سڑک سے گذر کر باہر سڑک پر آ جاتا ہے ۔ اور سٹیج پر حاضرین کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔

پردہ

لاہور ۱۹۳۱ء

تصور کی محبت

کردار

جگدیش - ویکلی نیوز کا ایڈیٹر۔
مسز پرتاپ - سوسائٹی گرل۔ جو پہلے ایکٹرس تھی۔ لیکن اب سیٹھ پرتاپ چند کی بیوی ہے۔
اندر ناتھ :- جگدیش کا آرٹسٹ دوست۔ جو اس کے ساتھ ہی رہتا ہے۔
گوپال :- جگدیش کا ایک اور دوست۔

مقام

ایک دو منزلے مکان کا کمرہ جس میں جگدیش رہتا ہے۔

وقت

شام

(کمرہ بہت بڑا نہیں۔ اور نہ ہی اچھی طرح سجا ہوا ہے۔ ایک میز ہے جس پر کچھ کاغذات، اخبارات۔ رسالوں اور کتابوں کا انبار لگا۔ اس کے پیچھے دیوار کے ساتھ کرسی ہے۔

میز کے دائیں طرف دیوار میں دو الماریاں ہیں۔ جن پہ کواڑ نہیں۔ اور کئی اخبار اُن میں لدے ہوئے ہیں۔ کچھ لٹک رہے ہیں اور مٹی کی تہیں جمی ہوئی ان پر صاف دکھائی دیتی ہیں۔ پچھلی طرف ایک دروازہ بھی ہے۔ جو دوسرے کمرے میں کھلتا ہے۔

میز کے پاس دو آرام کرسیاں رکھی ہیں۔

کمرے میں دری بچھی ہے لیکن پرانی۔ جگہ جگہ اس میں گول دائرے سے بنے ہوئے ہیں جن میں سے لال چونے کا پرانا فرش نظر آتا ہے۔

سامنے کی دیوار میں ایک کھڑکی ہے۔ جو نیچے گلی میں کھلتی ہے۔

کمرے میں اس وقت اندرناتھ بیدلی سے ایک باتصویر اخبار کو دیکھ رہا ہے۔ لیکن اسکی نظریں مضامین کی بجائے تصاویر پر زیادہ ہیں۔

نیچے سے گھنٹی بجنے کی آواز آتی ہے۔ اخبار ہاتھ ہی میں لئے وہ کھڑکی تک جاتا ہے)

اندرناتھ:۔ (باہر کو منہ کرکے) کیا آپ نے گھنٹی بجائی تھی۔

نیچے سے کسی عورت کی آواز۔ جی کیا مسٹر جگدیش کا یہی مکان ہے۔

اندرناتھ:۔ جی ہاں وہ اسی مکان میں رہتے ہیں۔ لیکن اس وقت گھر

ہیں موجود نہیں۔
وہی آواز:۔ میں ان سے ملنا چاہتی تھی۔ نہائت ضروری کام تھا کب تک تشریف لے آئیں گے وہ؟۔
اندر ناتھ:۔ بس اب آتے ہی ہوں گے (کلائی پہ گھڑی دیکھ کر) ان کے دفتر سے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ آپ تشریف لے آئیے۔
وہی آواز:۔ بہتر ہے آئی۔

(اندر ناتھ واپس آتا ہے۔ اخبار میز پہ رکھ کر کالر وغیرہ ٹھیک کرتا ہے۔ چہرہ اور بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ اور پھر کچھ تکلف سے کرسی پر بیٹھ کر وہی اخبار ہاتھ میں لے لیتا ہے۔

سیڑھیوں سے پاؤں کی چاپ آتی ہے۔ پھر ذرا سا دروازہ کھلتا ہے اور مسز پرتاپ جھانکتی ہیں)

مسز پرتاپ:۔ میں اندر آسکتی ہوں۔
اندر ناتھ:۔ (اٹھ کر) ہاں ہاں تشریف لائیے۔

(بید کی آرام کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس کی بیت اب اتنی خدمت گزاری کے بعد رخصت ہی لیا چاہتی ہے مسز پرتاپ بیٹھ جاتی ہے۔ لباس ویسا ہی ہے جیسا کہ ایک مہذب امیر عورت کا ہونا چاہئے۔ جو ایکٹرس بھی رہ چکی ہے۔ اندر ناتھ ٹکٹکی باندھ کر اسکی طرف دیکھتا ہے۔
مسز پرتاپ کچھ بے چین ہو کر پہلو بدلتی ہے)

مسز پرتاپ (مسکرا کر جس میں کچھ خشم آلودگی بھی شامل ہے) آپ میری طرف گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں۔

اندرناتھ :۔ معاف کیجئے گا۔ میں آپ کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا۔ تو آپ کا نام شائد نلینی دیوی ہے۔ اور آپ نے "سفید بلی" اور . . . . . . دوسری فلموں میں۔

مسز پرتاپ :۔ ہاں میں نلینی ہی ہوں۔ آپ کا حافظہ خوب ہے۔ کوئی چار سال کی بات ہے کہ میں نے سیٹھ پرتاپ چند سے شادی کر لی اور اس کے بعد میں نے کسی فلم میں کام نہیں کیا اب میں مسز پرتاپ ہوں۔

اندرناتھ :۔ حافظہ بھی خیر میرا کوئی برا نہیں لیکن بات دراصل یہ ہے کہ آپ ایک غیر معمولی ایکٹرس تھیں (مسکراتے ہوئے) اور . . . . . اس کے علاوہ مسٹر جگدیش بھی اکثر آپ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ مسٹر جگدیش میرے بہت پرانے دوست ہیں۔ وہ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتے ہم اکٹھے ہی رہتے ہیں۔

مسز پرتاپ :۔ وہ میرا ذکر کیا کرتے ہیں کیا؟ میں تو اُن سے واقف تک نہیں۔ کیا ان کا کوئی پین نیم بھی ہے۔

اندرناتھ :۔ واہ! آپ مجھے نہیں بنا سکتیں۔ ان کا نام جگدیش ہے۔ جگدیش؟ اور صرف جگدیش۔ نہ کوئی پین نیم اور نہ کوئی دوسرا نام۔ اور یہ بھی ایک امر واقع ہے۔ کہ وہ آپ کو کئی بار ملے اور بطور جگدیش کے ہی ملے۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ کہ وہ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتے

میں سب جانتا ہوں۔

(ہنستا ہے)

مسز پرتاپ:۔ (ذرا سختی سے) "جانتا ہوں" کیا جانتے ہیں۔ آپ؟
یہی تو میں بھی جاننا چاہتی ہوں۔ کہ آپ کیا جانتے ہیں؟۔

اندرناتھ۔ (مسکراتے ہوئے) آپ چاہے لاکھ ایکٹ کرنا چھوڑ دیں۔
لیکن آپ کا فن خداداد ہے۔ آپ نے تو مجھے بھی یقین دلا دیا تھا۔ کہ آپ
جگدیش کو بالکل نہیں جانتیں۔

مسز پرتاپ۔ (غصے کو دباتے ہوئے) تو میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں
آپ کان کھول کر سُن لیں۔ کہ میں آپ کے مسٹر جگدیش کو بالکل نہیں جانتی۔

اندرناتھ:۔ (پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے) جی نہیں!۔ آپ بھلا جھوٹ
کیسے بول سکتی ہیں۔ مگر۔۔۔۔۔ شائد آپ اس بات کو چھپانا ہی بہتر
سمجھتی ہوں۔ اچھا یونہی سہی۔ میرا مطلب تو صرف یہ ہے۔ کہ مجھے سب کچھ
معلوم ہے۔ میں اور جگدیش اکیلے ایک ہی مکان میں رہتے ہیں، برسوں سے!
ہاں! میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں نے آج جانا۔ کہ جگدیش کو واقعی آپکی
دوستی پر ناز ہے۔

مسز پرتاپ:۔ (حیرانی اور غصہ سے) دوستی! فخر!۔ آپ کیا۔۔۔۔۔

اندرناتھ:۔ (بات کاٹ کر) دیکھئے آپ ناراض نہ ہوں (اٹھکر چند قدم
چلتا ہے۔ اور سامنے پڑی ہوئی میز کا ایک دراز کھولتا ہے اس میں سے
ایک لفافہ نکالتا ہے۔ اور مسز پرتاپ کے سامنے پیش کرتا ہے) یہ

دیکھیئے اس بات کا ثبوت کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ یہ آپ ہی کے فوٹو تو ہیں اور آپ کے دیئے ہوئے۔ یہ تحریر اور دستخط صاف ظاہر کر رہے ہیں۔ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ جگدیش ان کو سامنے رکھ کر گھنٹوں دیکھتا رہتا ہے۔

مسز پرتاپ :۔ (حیران ہو کر) اپنے فوٹو! یہ تصویر تو میری ہی دکھائی دیتی ہے۔ اور یہ درمیان میں کس کا فوٹو ہے۔ شاید آپ کے دوست مسٹر جگدیش کا؟ اب میں سمجھی۔

اندر ناتھ :۔ ہاں! یہ انہیں کا فوٹو ہے۔ لیکن اتنا برا نہیں کہ آپ اسے پہچان نہ سکیں۔

مسز پرتاپ :۔ میں کیسے جانوں گی؟ میں نے آج تک اسے دیکھا ہی نہیں اور پھر میں نے تو یہ سن رکھا ہے کہ بدصورت سے بدصورت شکل بھی فوٹو میں بھلی معلوم دیتی ہے۔ خیر! لاؤ تو دیکھیں ان تصویروں پر کیا لکھا ہے (او نچا پڑھتی ہے) "میں ہمیشہ ہی تمہاری رہوں گی نلنی"۔ "میں ہوں تمہاری وفادار داسی نلنی" (نہایت جوش اور غصہ سے) اوہو! میں ہوں اسکی داسی ...... اب ..... اب میں سمجھی کہ آپ کیا بکواس کرتے رہتے ہیں (اندر ناتھ سے مخاطب ہو کر) میں آپکو بتا دینا چاہتی ہوں صاحب! کہ آپ کا دوست ایک کمینے کتے سے بھی بدتر ہے۔

اندر ناتھ :۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ آخر آپ اس قدر خفا کیوں ہو رہی ہیں۔ میں اپنے دوست کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے دوستوں میں سے

وہ ایک بہترین انسان ہے۔

مسز پرتاپ:۔ بہترین انسان کمینہ، بدمعاش۔ اگر بہترین انسان کا یہی نمونہ ہے۔ تو دنیا کے تمام بدمعاش لچے، لفنگے بہترین انسان ہیں۔ آپ اپنے دوستوں میں سے بہترین انسان کی کرتوت سنیں گے؟ تو سنئے۔ لیکن سننے سے پہلے یہ اچھی طرح جان لیجئے: کہ میں نے آپ کے بہترین دوست کی اصلی بھونڈی شکل آج تک نہیں دیکھی۔ کچھ دنوں سے میرے چند احباب اُن کا ذکر کرنے لگے ہیں اور میں حیران تھی کہ وہ اسے میرے ساتھ وابستہ کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں۔ اُس کا نام خاص میرے سامنے کیوں لیتے ہیں۔ اور پھر میری جانب دیکھ کر مسکرا کیوں دیتے ہیں۔ اُن کی اس طنز بھری مسکراہٹ نے مجھے ہر جگہ بدنام کر دیا — حتیٰ کہ اب جب کبھی بھی آپ کے "بہترین دوست" کا ذکر کلب میں ہوتا ہے۔ تو سب کی آنکھیں میری جانب اُٹھ جاتی ہیں۔ اور پھر ایک قہقہہ ہوتا ہے۔ ایک زبردست قہقہہ۔ لیکن مجھے اُس قہقہے میں انگاروں کے چٹکنے کی آواز آتی ہے۔ اور پھر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ان انگاروں کی آگ میں جل رہی ہوں۔

اندر ناتھ: (حیرت زدہ ہو کر) کیا آپ کا . . . . . مطلب . . . . . .

مسز پرتاپ: ٹھیریئے میں بتا رہی ہوں۔ آپ سنتے جائیے۔ اپنے "بہترین انسان" کے کارنامے۔ آج چار دن سے میں اس شخص کو ڈھونڈھ رہی ہوں لیکن آج خوش قسمتی سے پتہ چلا کہ آپ ویکلی نیوز کے ایڈیٹر ہیں۔ اور اس مکان میں رہتے ہیں۔ پہلے میرا خیال تھا کہ شاید وہ کہیں کسی فلمی رسالے کا ایڈیٹر

ہو۔ اور اس وقت شائد اس کا پہن نیم کچھ اور ہو۔ اور ممکن ہے کہ ایک ایکٹرس ہونے کی حیثیت سے میری اس سے جان پہچان ہو۔ اور اب وہ اس جان پہچان کا فائدہ اٹھا کر مجھ سے کچھ ٹھگنا چاہتا ہو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی ایکٹرس کسی شریف گھر میں شادی کر لے تو چند "بہترین انسان" اس کے خلاف عجیب وغریب قسم کی باتیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ اسی لئے میں اس سے خود مل کر سب کچھ طے کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اب معلوم ہوا۔ کہ آپ محض ایک عاشق ہیں اور شائد ایک "بہترین عاشق"۔"

اندر ناتھ۔ لیکن وہ تو آپ کی پوجا کرتا ہے۔ آپ کے لئے پاگل ہو رہا ہے۔ کبھی خوشی سے ناچتا ہے۔ اور کبھی آپ کی تصویر سامنے رکھ کر گھنٹوں روتا رہتا ہے۔

مسز پرتاپ :۔ یہ عجیب قسم کی محبت ہے۔ میں نے آج تک اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔ اور وہ سارے شہر میں میرے نام کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے۔ مجھے جگہ بجگہ بدنام کرتا پھرتا ہے۔ خود ہی کہیں سے میری تصویر حاصل کر کے خود ہی اس پہ لکھ دیتا ہے کہ میں اسکی داسی ہوں۔ ایک عورت یہ سب کچھ کس طرح برداشت کر سکتی ہے۔ میں اگر یہ سارا واقعہ سیٹھ صاحب کے گوش گذار کر دوں۔ تو ہوش ٹھکانے آجائیں۔ آپ کے۔

اندر ناتھ :۔ آپ مجھے معاف کریں۔ آپ کی باتیں سن کر مجھے شک ہونے لگا ہے۔ کہ کہیں یہ تصور کی محبت ہی نہ ہو۔ اب میں جب اس کی حرکات پر غور کرتا ہوں۔ تو مجھے بھی احساس ہوتا ہے۔ کہ شائد اس کے دماغ میں

کوئی خلل ہے۔ آج صبح ہی وہ مجھ سے ذکر کر رہا تھا۔ کہ کل رات آپ نے اس کے ساتھ رنگل میں "سوہنہ" فلم دیکھی۔

مسز پرتاپ:۔ اب شائد اپنے "بہترین دوست" کی اصلی رام کہانی سن کر آپ اسے بچانا چاہتے ہیں۔ لیکن پاگل بن کر وہ بچے گا نہیں۔ میں آج اُسے بد زنی کی سزا دینا چاہتی ہوں۔ میں آج اسے ایک عورت کی عزت کا احساس کرانا چاہتی ہوں۔ آپ اپنی اس چال میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اندر ناتھ:۔ آپ جو چاہیں سمجھیں لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ کہ طبعاً جگدیش ایک نہائت شریف انسان ہے۔ نہ معلوم اسے یہ کیا ہو جھی۔ میرے خیال میں یا تو اس کا دماغ خراب ہے یا اس میں کوئی اور راز ہے۔

مسز پرتاپ:۔ جو بھی ہوگا۔ ابھی اس کے آنے پر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ اور اصل بھید تو وہ خود ہی بتا سکیگا۔ میں کیا جانوں انہیں کیا بھید ہے۔ میں ابھی ڈرائیور کو بلواؤں گی اور . . . . . .

اندر ناتھ:۔ میں کہہ تو کچھ نہیں سکتا۔ آپ کا جو جی چاہے کریں لیکن اس کے لئے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ اور آئندہ کے لئے آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اس کی "زبان نہیں کھلے گی"

(نیچے سے لیٹر بکس کھلنے کی آواز آتی ہے) لیجئے جگدیش خود ہی آ رہا ہے۔ ابھی اس کے لیٹر بکس کھولنے کی آواز آئی ہے۔

مسز پرتاپ:۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ آنے دیجئے۔ میں اب اس سے مل کر

ہی جاؤنگی۔ یہ بھی اس کی خوش قسمتی ہے کہ اُس سے ملنے سے پہلے آپ سے ملاقات ہو گئی نہیں تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اچھا خیر! آپ کھڑے رہ کر تماشا دیکھیئے۔ اور اب چند منٹ کیلئے میں کہیں جگہ چھپنا چاہتی ہوں۔

(سیڑھیوں پر چڑھنے کی آواز)

اندرناتھ:۔ آپ اس کمرے میں آجائیے۔ جلدی سے۔ وہ آرہا ہے۔

(مسز پرتاپ دوسرے کمرہ میں چلی جاتی ہے۔)

(سیڑھیوں کے دروازے سے جگدیش وارد ہوتا ہے۔ اور اندرناتھ ایک کتاب دیکھنے لگتا ہے)

جگدیش۔ ہلو اندر! کیا پڑھ رہے ہو۔ اور آج یہاں کس چیز کی خوشبو آرہی ہے۔ کیا عطر لگایا ہے۔

اندرناتھ:۔ خوشبو! مجھے تو نہیں آتی۔ کیا بات ہے۔ آج تم بہت خوش نظر آرہے ہو۔

جگدیش:۔ ہاں! آج میں واقعی بہت خوش ہوں۔ آج پھر نلنی کا خط آیا ہے۔ آج شام کو وہ مجھے پورے سات بجے لارنس میں ملے گی۔ آج میں پھر تمہارے ساتھ سیر کو نہ جا سکوں گا۔ مجھے پورے سات بجے لارنس پہنچنا ہے۔

اندرناتھ:۔ دیکھو جگدیش تم اس طرح کھلے طور پر اس کے ساتھ مت پھرا کرو۔ اگر کوئی دیکھ پائے تو؟

جگدیش:۔ تو کیا! جو بھی دیکھیگا۔ حسد سے جل مرے گا۔ کئی لوگ تو

اب بھی مرے جا رہے ہیں۔ تم سمجھتے نہیں ہو اندر۔ جب سے میں نے نلنی کے ساتھ ملنا شروع کیا ہے۔ میری عزت دگنی ہو گئی ہے۔ اب تو اخبار کا چیف ایڈیٹر بھی مجھے سلام کرتا ہے۔

اندر ناتھ:۔ لیکن اگر اس کا خاوند ہی دیکھ پائے۔

جگدیش:۔ وہ بڈھا گھوسٹ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ اور پھر اس سے تو وہ خود ہی نپٹ لے گی۔

(ساتھ کے کمرے کے کواڑ پٹ سے کھلتے ہیں۔ اور نلنی باہر آ جاتی ہے)

جگدیش:۔ کون ہے؟ کیا آپ مسز پرتاپ ہیں؟

مسز پرتاپ:۔ ہاں! مسز پرتاپ۔ نہ، نہیں بھول گئی۔ میں ہوں آپ کی داسی نلنی۔

جگدیش:۔ او۔۔۔ہو۔۔۔ ہاں، ہاں نہیں، نہ، نہ مجھ سے آپ کا تعارف نہیں۔ آپ کیا چاہتی ہیں؟

مسز پرتاپ:۔ کیا چاہتی ہوں جگدیش۔ پیارے جگدیش کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔ ابھی کل رات کو تو تم نے میرے ساتھ ریگل میں "سویرا" فلم دیکھی تھی۔ کیا اتنی جلدی بھول گئے۔

جگدیش:۔ کل رات کا آپ کیا ذکر کر رہی ہیں؟ کل تو میں دفتر سے ہی گیارہ بجے رات فارغ ہوا تھا۔ سالنامے کی تیاری کے لئے آج کل بہت رات تک کام کرنا پڑتا ہے۔ آج بھی میری سات بجے سے گیارہ بجے تک دفتر میں ڈیوٹی ہے۔

مسز پرتاپ :۔ واہ صاحب! خدا کیلئے اتنا ظلم تو نہ کریں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آج سات بجے تو آپ نے مجھے لارنس ہیں ملنا ہے۔ میری چیٹھی کیا آپ کو نہیں ملی۔

جگدیش :۔ کونسی چیٹھی؟ مسز پرتاپ آپ غلطی سے مجھے کوئی اور تو نہیں سمجھ رہیں۔

مسز پرتاپ :۔ میں بھولتی نہیں پیارے۔ آپ شرماتے ہیں۔ یہ میری ہی چیٹھی تو آپ نے ہاتھ میں پکڑ رکھی ہے۔ دیکھیں تو (چیٹھی چھین کر اونچی آواز سے پڑھتی ہے) "ڈیر مسٹر جگدیش۔ مجھے ایک لمحہ بھی آپ کے بغیر چین نہیں ملتا۔ نہ معلوم آپ کیوں ہر وقت میرے دل میں بسے رہتے ہیں۔ خدا را میری حالت پر رحم فرمائیں۔ اور آج شام کو سات بجے مجھے لارنس میں مقررہ جگہ پر ضرور ملیں۔ تمہاری داسی نلنی۔"

جگدیش :۔ یہ آپ کہاں سے پڑھ رہی ہیں۔ اس میں تو یہ کچھ نہیں لکھا یہ تو میرے درزی کا رقعہ ہے۔ اور اس نے سوٹ کی سلائی مانگی ہے۔

مسز پرتاپ :۔ (بناوٹی رونا روتے ہوئے جگدیش کے اوپر گر پڑتی ہے) میرے پیارے جگدیش۔ میری محبت نے تمہیں پاگل بنا دیا ہے۔ اب تم اچھی طرح سے پڑھ بھی نہیں سکتے۔

جگدیش۔ (چہرے پر سے پسینہ پونچھتے ہوئے) دیکھئے آپ رو کیوں رہی ہیں۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ کہ اگر چند منٹ یہی حال رہا۔ تو میں کھڑکی سے چھلانگ لگا دوں گا۔

مسز پرتاپ :۔ (ہچکیاں لیتے ہوئے) اب میں کیا کروں۔ میری دنیا آج تاریک ہو گئی۔ تم دیکھتے نہیں۔ جگدیش۔ یہ میں ہوں۔ نلنی۔ تمہاری داسی۔ اور تم ہو کہ مجھے پہچانتے بھی نہیں۔ میری محبت نے تمہارا حافظہ بگاڑ دیا ہے۔ اور اس میں میرا ہی قصور ہے۔ تم پر تو میں دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئی تھی۔ اسی لئے شائد تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہائے میں تم پر اس قدر کیوں ریجھی۔

جگدیش :۔ آپ مجھ پر ریجھیں۔ مجھ پر۔

مسز پرتاپ :۔ ہاں تم پر، تم پر۔

جگدیش :۔ مجھ پر (گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتا ہے۔)

مسز پرتاپ :۔ پیارے جگدیش یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ہوش میں آؤ۔ میری طرف غور سے دیکھو۔ مجھے پہچاننے کی کوشش کرو۔ (میز کے نزدیک جا کر میز پر سے فوٹو اٹھاتے ہوئے) یہ دیکھو میرے فوٹو۔ یہ میں نے ہی تو تم کو دئے تھے۔ کیا یاد نہیں رہا۔

جگدیش :۔ یہ فوٹو تو میرے خود خرید کردہ ہیں۔

مسز پرتاپ :۔ تم نے خریدے تھے۔ بھولتے ہو جگدیش۔ یہ دیکھو ان پر کیا لکھا ہے۔ یہ میں نے ہی تو لکھا تھا۔ کیا بھول گئے "نلنی تمہاری پیاری سی گڑیا!" "تمہاری داسی!" اور پھر یہ دیکھو۔ دونوں پر میرے دستخط ہیں . . . . . . یاد کرو جگدیش۔ یہ فوٹو میں نے تمہیں اس رات دئیے تھے جب ہم دونو چاندنی رات میں شالامار باغ کی سیر کر رہے تھے۔ میں

تمہاری بغل میں تھی۔ اور تم مجھے اپنے بچپن کے قصے کہانیاں سنا رہے تھے۔

جگدیش :۔ آپ مجھے کیوں شرمندہ کر رہی ہیں۔ میں نے آج سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ یہ فوٹو تو میں نے خود ہی خریدے تھے۔ اور خود ہی ان پر یہ عبارت لکھی تھی۔

مسز پرتاپ :۔ ارے میں تو بالکل لٹ گئی میری دو سال کی محبت رائیگاں گئی۔ (اٹھ کر صوفے پر جا بیٹھتی ہے)۔ یہاں آؤ جگدیش میری گود میں اپنا سر رکھو۔ میں تمہیں تھپکوں گی۔ شائد میرے محبت بھرے ہاتھوں کے لمس سے تمہیں ہوش آجائے۔

جگدیش :۔ بس اب کافی ہو چکی۔ خدارا میرا قصور معاف کریں۔ آپ یہاں سے چلی جائیں۔

مسز پرتاپ :۔ کیا آپ مجھ سے تنگ آگئے؟ کیا محبت کا یہی صلہ ہے۔ ٹھیک ہے۔ مرد کی جنس ہی ایسی ہے ہم عورتیں انہیں اپنا سب کچھ سونپ دیتی ہیں۔ لیکن مرد...... وہ برسوں کی محبت کو ایک لمحہ میں توڑ ڈالتے ہیں۔

جگدیش :۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ جائیں، جائیں، جائیں۔ (چیختا ہے) وقفہ

اندر ناتھ :۔ جگدیش۔ تم اسی قابل ہو۔ پاگل تو تم اس وقت سے ہو جب سے تم اس شریف خاتون کی جگہ بجگہ بدنامی کر رہے ہو۔ تمہارا حشر اس سے بھی بدتر ہونا چاہیئے۔ تمہیں اس خاتون کا ممنون ہونا

چاہیئے۔ کہ وہ اس وقت تمہاری خاطر جوتوں سے نہیں کر رہی۔ اب دوزانو ہو کر ان سے معافی مانگو اور آئندہ کیلئے توبہ کرو۔

جگدیش (نہایت عاجزی سے) مسز پرتاپ مجھے معاف کر دو۔ میں آپکا گنہگار ہوں۔ اب کی دفعہ مجھے معاف کر دیں۔ میں اس گناہ کیلئے ہر قسم کا کفارہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں اس شہر کو چھوڑ دونگا۔

مسز پرتاپ :۔ (طنز سے) تمہارے کفارہ سے کیا ہوگا۔ کیا کسی شریف عورت کی بیعزتی کا کفارہ ہو سکتا ہے۔ شائد تمہارے لئے یہ سب باتیں ایک مذاق ہوں۔ لیکن تمہارے اس مذاق نے میری آبرو خاک میں ملا دی۔

جگدیش ۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں۔ کہ میرا مدعا ہرگز آپ کی بیعزتی کرنا نہ تھا۔ مجھے یہ گمان تک بھی نہ تھا۔ کہ میرا یہ چھوٹا سا رومان سماج کے بلند ترین طبقے تک پہنچ کر آپ کے لئے اس قدر تکلیف کا باعث ہوگا۔ میں حیران ہوں کہ یہ بات آپ تک پہنچی کیسے۔

مسز پرتاپ :۔ رومان، کسی عورت کی عزت کے ساتھ کھیلنے کو تم رومان کہتے ہو۔ اور پھر خود ہی اس "رومان" کو شیطان کی طرح مشتہر کر کے خود ہی پوچھتے ہو کہ یہ بات مجھ تک کیسے پہنچی۔ عجیب انسان ہو تم۔

جگدیش :۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ آپ کی ہر بات ٹھیک ہے لیکن پھر بھی میرے لئے یہ ایک رومان تھا۔ میری تنگ، محدود اور مذموم زندگی کا ایک چھوٹا سا محدود رومان، قلب کی ایک خاص کیفیت کا نام ہی تو رومان

ہوتا ہے۔ اور میں نے وہ کیفیت صرف تصور ہی میں ہی حاصل کرنی چاہی تھی

مسز پرتاپ :۔ (خاموش ہے)

جگدیش :۔ ہاں یہ سب ٹھیک ہے۔ آپ بیشک میرا مذاق اُڑائیے۔ آپ کو اس بات کا پورا حق حاصل ہے۔ آپ کو مجھے جوتے تک لگانے کا حق حاصل ہے لیکن آج مجھے موقعہ ملا ہے اور شاید میری زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ۔ اسلئے میں آپکو بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ دیوانگی برسوں سے میرے سر پر سوار ہے۔ اور دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ میں یہ بخوبی جانتا ہوں۔ کہ میرے لئے آپ کو حاصل کرنا ناممکن ہے۔ میں کبھی باور بھی نہ کر سکتا تھا۔ کہ میں ان کانپتے ہوئے لبوں سے آپ کو صرف یہ کہہ سکوں۔ کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ دل کو تسلّی دینے کے لئے میں یہ خیال کر لیا کرتا تھا۔ کہ میں نے آپکو پا لیا ہے۔ آپ میرے ساتھ ہیں اور کبھی جدا نہیں ہو سکتیں۔ شروع میں یہ خیال صرف میرے دل و دماغ تک ہی محدود رہا۔ لیکن بعد میں جب مرض بڑھتا گیا۔ تو میں نے اپنے آپ کو یقین دلانے کیلئے اس کا تذکرہ دوستوں سے بھی شروع کر دیا۔ آپ کے متعلق باتیں کرنے سے مجھے ایک خاص قسم کی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ ایک وارفتگی سی۔ آپ کے ارد گرد ایک واقعات کا جال بُن کر میں جنت میں پہنچ جاتا تھا۔ اور خیال کرتا تھا۔ کہ میں اور آپ ہمیشہ سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے چلے آئے ہیں۔ اور ابد تک ایک دوسرے کی محبت میں جکڑے رہیں گے۔ آج میرا طلسم خیال اصلیت کے تلخ احساس سے چکنا چور ہو گیا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کروں یا۔۔۔۔۔

مسز پرتاپ:۔ (کچھ متاثر ہو کر) عجب قسم کا رومان ہے یہ خیالی رومان

جگدیش:۔ مسز پرتاپ میں آپ سے اپنے تمام گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ مجھے معاف کریں۔

مسز پرتاپ:۔ میں سب سمجھ گئی۔ یہ ایک نفسیاتی سوال ہے۔ اب مجھے ذرا بھی گلہ نہیں رہا۔ تمہاری تقریر سنکر میں خود محسوس کر رہی ہوں۔ کہ میں کیسی گہرے کنوئیں میں گری جا رہی ہوں۔ شائد دنیا میں بیشتر رومان تصور تک ہی محدود رہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ انہیں اصلی زندہ رومانوں میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ اور ایسا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ ضرور کامیاب ہوتے ہیں گے۔ تمہارا رومان، تمہاری محدود زندگی کا محدود رومان تمہارے محدود دماغ میں ہی بند رہے گا۔ تم اس قابل ہی نہیں۔ کہ اصل رومان کی چاشنی کو چکھ سکو۔

(وہ جلدی سے مڑ کر واپس جاتی ہے)

(سیڑھیاں اترنے کی آواز اور پھر معمولی وقفہ کے بعد موٹر سٹارٹ ہونیکی آواز)

پھر جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھنے کی آواز

گوپال ہانپتا ہوا جلدی سے کمرہ میں داخل ہوتا ہے۔)

گوپال:۔ (ہانپتے ہوئے) جگدیش۔۔۔۔۔۔ او جگدیش۔۔۔۔۔۔ ارے جگدیش! تم کتنے خوش قسمت ہو۔

اندرناتھ:۔ کیا بات ہے گوپال۔ آرام سے بیٹھو تو۔ آخر بات کیا ہے۔ اتنی پریشانی کیوں؟

گوپال:۔ آج تو میں نے ان آنکھوں سے دیکھا۔ یار واقعی تم لوگ بہت خوش قسمت

ہو۔ میں نے آج تک جگدیش کی بات کا کبھی اعتبار نہ کیا تھا۔ لیکن آج ان آنکھوں نے دیکھا۔ کہ وہ تمہارے دروازے سے باہر نکلی۔ وہی مسز پرتاپ۔ ہاں آج میری ان آنکھوں نے دیکھا۔ کہ وہ تمہارے دروازہ سے باہر نکلی اور موٹر میں بیٹھ کر ہوا ہو گئی۔

جگدیش:۔ پاگل مت بنو گوپال۔ کون مسز پرتاپ؟۔ میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتا۔ یہاں کوئی نہیں آیا۔ سنا تم نے۔ یہاں کوئی نہیں آیا۔ تم جھوٹ بک رہے ہو اور ہاں! اگر آج کے بعد تم کسی ایسی عورت کا نام زبان پہ لائے۔ تو میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔

گوپال:۔ (حیرانی سے) ارے آج تمہیں کیا ہوا؟۔

اندرناتھ:۔ چلو جانے دو گوپال!۔ آج اسکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آؤ ہم تمہیں اپنی نئی تصویر دکھائیں۔ اس کا عنوان ہے "تصور کی محبت"۔ آؤ نہ اس طرف سٹوڈیو میں۔

امرتسر۔ سنہ ۱۹۴۰

ایک رومان

ڈراما کے کردار

رمیش }
نرمل } ———— دو پرانے ہم جماعت ؛
پرکاش ———— نرمل کا ایک دوست ؛
نلنی ———— رمیش کی بہن ؛
پورنیما ———— ڈاکٹر رتن لال کی لڑکی اور نلنی کی ایک سہیلی ؛
سجنی ———— نلنی اور پورنیما کی ایک سہیلی ؛
بہرہ ———— حلوائی کا لڑکا ۔ اور پورنیما کا نوکر ؛

سین پہلا ———— وقت سہ پہر

منظر

(ایک ٹی پارٹی جس میں سب لوگ اپنے دوستوں سے مل رہے ہیں نرمل

اور اُمیش دو پرانے دوستوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ اُمیش کے ساتھ دو نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں ہیں)

اُمیش :- ہیلو، نرمل! تم تو عید کا چاند ہو گئے۔ آج ایک مدت کے بعد تم سے ملاقات ہوئی۔ کہاں غائب رہتے ہو تم؟

نرمل :- ارے اُمیش تم! تم تو پہچانے بھی نہیں جاتے۔ کتنے دُبلے ہو گئے ہو (آہستہ سے) اور یہ شادی کب کی؟

اُمیش :- میں اور شادی۔ پاگل ہوئے ہو کیا؟ یہ میری بہن نلنی ہے اور یہ اسکی ایک سہیلی پورنیما۔ (لڑکیوں سے) یہ نرمل ہیں میرے پرانے دوست۔

نرمل :- (قدرے شرمندہ ہو کر) اچھا تو ۔۔۔۔ تو ۔۔۔۔۔۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی (دونوں لڑکیاں ہاتھ جوڑتی ہیں)

نلنی :- میرے خیال میں ہمیں بیٹھنا چاہیئے!

نرمل :- آئیے۔ یہاں بیٹھ جائیں۔

(سب ایک میز کے گرد اس ترتیب سے بیٹھ جاتے ہیں۔ کہ پورنیما نرمل کے ساتھ اور نلنی اپنے بھائی امیش کے ساتھ ہے)

اُمیش :- ہاں تو نرمل آجکل کیا شغل ہے۔ اب بھی کیا سیاسیات میں مصروف رہتے ہو یا کچھ اور کام کاج بھی کر لیتے ہو؟

نرمل :- سیاسیات! وہ تو میری زندگی کا ایک جزو ہے۔ لیکن اس کے علاوہ آجکل میں "لٹریری ریویو" کا مدیر ہوں۔ اور تم؟

اُمیش :- اچھا تو تم ایڈیٹر ہو۔ میں پہلے ہی کہا کرتا تھا۔ کہ تم اسی کام کے قابل

ہو۔ اچھا ہوا تمہیں اپنی میلان طبع کے موافق کام مل گیا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے۔ اور میں —— میں تو بچپن سے ہی بدقسمت واقع ہوا ہوں۔ پچھلے سال آئی۔سی۔ ایس کے مقابلہ کے امتحان میں ناکامیاب رہا۔ اس سال میرے والد صاحب نے مجھے جمال پور چھاؤنی کا ایگزیکٹو آفیسر کروا دیا۔ وائے بدقسمتی! کہاں ایک چھاؤنی کا ایگزیکٹو آفیسر اور کہاں آئی۔سی۔ایس۔

(اتنے میں بیرہ چائے لے آتا ہے۔ رمیش نلنی کے لئے چائے تیار کرتا ہے اور نرمل پورنیما کے لئے۔ ایسا کرتے ہوئے، وہ پورنیما کے چہرے کی طرف غور سے دیکھتا ہے۔ پورنیما اپنی خوبصورت، سرمگیں آنکھیں اوپر اٹھاتی ہے پل بھر کے لئے پورنیما اور نرمل کی آنکھیں ملتی ہیں۔ نرمل کے ہاتھ کانپتے ہیں اور کچھ چائے میز پر چھلک جاتی ہے)

اُمیش:۔ نرمل! پورنیما مصنف بھی ہے۔ اور آج کل لڑکیوں کے کالج کے وائس پرنسپل کے عہدے پر فائز ہے۔ کوشش کرو شاید تمہارے رسالے میں لکھنے کے لئے رضامند ہو جائے!

نرمل:۔ زہے نصیب! اگر آپ لٹریری ریویو کے لئے کچھ لکھنے کی تکلیف گوارا کریں۔

پورنیما:۔ اُمیش کو تو کچھ جھوٹ بولنے کی عادت سی ہو گئی ہے میں نے زندگی بھر میں آجتک کسی رسالے کے لئے کچھ بھی نہیں لکھا۔

نرمل:۔ اُمیش میرے پرانے دوست ہیں۔ اور میں خوب جانتا ہوں۔ کہ انہیں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں۔ کہیئے آپ کا مضمون کبتک تیار ہو جائیگا؟

پورنیما :- اوہو ! آپ بھی اُمیش کے بھرے میں آ گئے۔ آپ کو ان پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے تھا۔

اُمیش :- اچھا ! اگر میں جھوٹا ہوں۔ تو نلنی تو کبھی جھوٹ نہیں کہتی۔ وہ سچ سچ کہہ دیگی۔

نلنی :- پورنیما اس میں کونسی بڑی بات ہے۔ کچھ لکھد و انہیں۔ ہاں یاد آیا .... وہ کہانی ہی دے ڈالو۔ جو تم نے مجھے کل سنائی تھی۔

پورنیما۔ (مسکراتے ہوئے) نلنی تم بھی مجھے بنا رہی ہو۔ کل تم ہی نے کہا تھا۔ کہ وہ ایک بے معنی سا افسانہ ہے۔ بہر حال وہ چھپنے کے بالکل قابل نہیں۔

نرمل :- بہر کیف آپ ایک دفعہ مجھے بھی اسے دیکھنے کا موقع دیں ایک مدیر کی حیثیت سے میرا یہ تجربہ ہے۔ کہ ایسی باتوں میں عورتوں کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ وہ طبعاً شرمیلی واقع ہوئی ہیں۔

پورنیما :- لیکن مجھے آپ اسکے برعکس پائیں گے۔ میں سچ کہتی ہوں۔ کہ وہ کہانی آپ کے رسالے یا کسی رسالے کے لیئے بھی موزوں نہیں۔ مگر آپ کو دکھانے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر آپ کسی دن دوپہر کے بعد میرے یہاں تشریف لانے کی تکلیف گوارا کر سکیں۔ تو میں وہ کہانی آپ کو دکھا دوں گی۔ ہاں۔ اور اس دن آپ چائے بھی میرے یہاں پیئیں گے!

نرمل :- شکریہ ! ضرور بالضرور حاضر ہوں گا !

پورنیما:۔ یہ میرا پتہ ہے (نرمل کو اپنا کارڈ دیتی ہے)

اُمیش:۔ تو آخر فیصلہ ہو ہی گیا۔

تلسی۔ ہاں۔ اور تسلی بخش طریقے سے:

پورنیما۔ (مسکراتے ہوئے) شٹ اپ ـــــ اوہ دیکھئے سب لوگ Guest of the evening کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمیں بھی اب اُٹھنا چاہیئے۔

(چاروں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ نرمل پیسٹری کا آخری ٹکڑا اُٹھاتے ہوئے منہ میں ٹھونس لیتا ہے۔ (سب جاتے ہیں)

دوسرا سین

(شہر کے گنجان حصّہ میں ایک کمرے پر مشتمل مکان۔ جس کے دونوں طرف پانی کے چھوٹے چھوٹے جوہڑ بنے ہیں اور آس پاس کے مکانوں کا کوڑا کرکٹ پڑا ہے۔ مکان سے پچاس گز کے فاصلے سے مچھروں کی بھنبھناہٹ شروع ہو جاتی ہے۔ کمرے میں داخل ہونے کے لئے ایک لکڑی کا دروازہ ہے جس میں داخل ہوتے ہی سامنے کے دائیں کونے میں فرش پر پرانے رسالے کچھ فائلیں اور چند کتابیں بکھری پڑی ہیں۔ بائیں کونے میں ایک چارپائی ہے جس کے نیچے دو لوہے کے، زنگ آلود ٹرنک رکھے ہوئے ہیں۔ اور سامنے کی طرف کھڑکی کے ساتھ لکڑی کی ایک میز پڑی ہے۔ جس پر بہت سے کاغذات بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان ـــ لٹریری ریویو کا تازہ پرچہ

رکھا ہے۔ میز کے ساتھ ہی لکڑی کی تین سخت کرسیاں ہیں۔ جن میں سے ایک پر نرمل ایک موٹا سا کمبل اوڑھے بیٹھا ہے ــــ اور شام کے دھندلکے میں ایک کتاب پڑھ رہا ہے۔ کمرے میں نرمل کا ایک دوست پرکاش داخل ہوتا ہے)

پرکاش :۔ ہیلو نرمل! اس اندھیرے میں بھی پڑھ رہے ہو۔ میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے۔ کہ اس طرح اپنی آنکھیں خراب کر لوگے لیکن تم مانتے ہی نہیں۔ اچھا! اب اٹھو۔ سوٹ پہن لو۔ سیر کو چلیں گے۔

نرمل :۔ اوہ پرکاش! آؤ بیٹھو۔ یہ سٹریچی کی کتاب ہے۔ نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔ چند صفحے باقی تھے۔ میں نے سوچا کہ ختم کر کے ہی اٹھوں۔ لیکن اب تم آ گئے ہو۔ اس لئے گپ شپ ہی سہی۔ میں سیر کو نہ جا سکوں گا۔ آج میری طبیعت کچھ ملول سی ہے۔ اور ہاں بھئی تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔ ذرا اس کونے سے بوتل اٹھا کر اس سامنے والی دکان سے مٹی کا تیل تو لے آؤ۔ اور واپس آتی دفعہ اس حلوائی کو بھی کہتے آنا کہ میرے لئے ایک گلاس چائے بھیج دے۔ اگر تم بھی پینا چاہو۔ تو دو گلاسوں کے لئے کہہ دینا۔

(پرکاش بوتل اٹھا کر باہر جاتا ہے۔ اور چند لمحوں کے بعد واپس آ جاتا ہے۔ میز پر پڑے ہوئے لمپ میں مٹی کا تیل ڈال کر اسے روشن کرتا ہے اور پھر نرمل اور پرکاش دونوں چارپائی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پرکاش نرمل کے کمبل کا ایک حصہ خود بھی اوڑھ لیتا ہے)

پرکاش :۔ تم اس گندی فضا میں روز بروز دُبلے ہو رہے ہو۔ کسی اچھی جگہ مکان کیوں نہیں لے لیتے!

نرمل :۔ چار روپیہ ماہوار میں اس سے اچھا مکان کہیں نہیں مل سکتا۔ اور یہ تو تم جانتے ہی ہو۔ کہ اس سے زیادہ میں خرچ نہیں کر سکتا۔ مجھے اپنی آدھی تنخواہ گھر بھیجنی پڑتی ہے۔

پرکاش :۔ یہ تو سب ٹھیک ہے لیکن تمہیں اپنی صحت کا بھی تو خیال رکھنا چاہیئے۔ میری بات مانو۔ صبح کو خوب لمبی سیر کیا کرو۔

نرمل :۔ (طنزاً) لمبی سیر! کمزور اور تھکے ہوئے اعضا کو اور بھی تھکا دے گی (اتنے میں حلوائی کا لڑکا چائے کا گلاس لا کر چارپائی کے پاس پڑے ہوئے سٹول پر رکھ دیتا ہے۔ اس کے میلے کپڑوں سے، جو چکناہٹ اور مٹی سے بالکل سیاہ ہو چکے ہیں۔ بدبُو آ رہی ہے۔ چائے رکھ کر وہ واپس چلا جاتا ہے۔ اور نرمل پیتل کے گلاس سے چائے پیتا ہے۔)

پرکاش :۔ ہاں تو نرمل۔ بھلا یہ پورنیما دیوی کون ہے۔ جس کو تم نے یونہی آسمان پر چڑھا دیا ہے۔ تمہارا کوئی بھی پرچہ اس کے مضمون سے خالی نہیں ہوتا۔ کیا اسی کی بدولت ہمارا مضمون "ادب کا انسانی پہلو" نہ چھپ سکا؟

نرمل :۔ بھئی اگر سچ پوچھو! تو اسی کی وجہ سے تمہارا مضمون روک لیا گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا۔ کہ تم سے معافی مانگ لوں گا!

پرکاش :۔ تو کیا محبت کا شکار ہو گئے ـــــ سچ سچ بتاؤ دوست!

کیا بات ہے ؟

نرمل :۔ اسے محبت یا رومان تو نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ میں اسے ایک معمولی واقعہ کہنا زیادہ پسند کرتا ہوں تمہیں شاید یاد ہوگا۔ کہ پچھلے ماہ بمبئی کی مشہور رقاصہ مس مانجھرا کا پبلک استقبال کیا گیا تھا۔ اور اسی سلسلے میں ایک ٹی پارٹی بھی ہوئی تھی۔ مجھے بھی اس میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہاں وہ مجھے ایک پرانے دوست کے ساتھ ملی شاید تم اسے جانتے بھی ہو۔ وہی اُمیش جس کو ہم کالج میں لمپ کن کہہ کر چھیڑا کرتے تھے آج کل وہ ایگزیکٹو آفیسر ہے۔ وہ اُمیش کے ساتھ تھی اور اُمیش اسکی بہن۔ پورنیما اور میں نے ایک ہی میز پر چائے پی تھی۔

پرکاش :۔ ارے وُہی اُمیش وہ بیوقوف کدو۔ وُہ ایگزیکٹو آفیسر ہو گیا ہے کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ بیوقوفی اور دولت ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں۔

نرمل :۔ ہاں تو مجھے وُہ وہیں ملی۔ وہ لڑکیوں کے کالج کی وائس پرنسپل ہے حسین اور پری چہرہ۔ اسکی فوٹو تو تم نے لٹریری ریویو میں دیکھی ہی ہوگی۔ اس ٹی پارٹی کے بعد میں اکثر اُسے ملتا رہا۔ اور اگر کبھی مجھے اسے ملنے میں دیر ہو گئی۔ تو اس نے یا تو مجھے رقعہ لکھ بھیجا۔ یا ٹیلیفون پر بلا لیا۔ یہ اس کے چند خطوط ہیں۔ تم خود ملاحظہ کر سکتے ہو۔ (سبز رنگ کے خوبصورت لفافوں میں بند چند خطوط پرکاش کو دکھاتا ہے۔ اور پرکاش ان کو جلدی سے پڑھ ڈالتا ہے)

پرکاش :۔ اچھا تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ وہ تمہیں چائے اور

سلینما کی دعوت دیتی ہے۔ "پیارے دوست" کے الفاظ سے مخاطب کرتی ہے اور محبت بھرے خطوط بھیجتی ہے۔ اور تم ہو کہ اسے محض ایک واقعہ بتاتے ہو۔ شاید تم مجھے چڑانا چاہتے ہو لیکن میں خود ہی تمہیں اپنا گرو مانتا ہوں اور تمہارے حسن انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ اور ساتھ ہی نہ دل سے مبارکباد بھی پیش کرتا ہوں۔ اب تم بلا خوف و خطر اپنے سیاسی ارمان پورے کر سکتے ہو۔ اب تم نان شبینہ کے لئے کسی کے محتاج نہیں رہے۔ تم کو ایک زندہ سونے کی کان مل گئی۔ فوراً کسی جرنیلی سڑک پر کوئی صاف اور کھلا سا مکان لے لو۔

نرمل :۔ اس بکواس کو بند بھی کرو گے یا نہیں ؟

پرکاش :۔ آخر ہوا کیا ؟

نرمل :۔ مجھے اس قسم کی باتیں پسند نہیں پرکاش! ہم ایک دوسرے کے احساسات کو خوب سمجھتے ہیں۔ ہماری زندگی ایک دوسرے میں مدغم ہے ہمارے لئے رشک و حسد بے معنی الفاظ ہیں۔

پرکاش :۔ کیا تم اُسے حاصل کر سکتے ہو؟ کیا تمہیں اس سے محبت ۔ ۔ ۔

نرمل :۔ محبت! وہ تو کب کی ختم ہو چکی۔ برسوں کی کشمکش حیات نے میرے دل سے محبت کے جذبات بالکل ختم کر دیئے ہیں۔ اب تو صرف ایک ذہنی خلش ہے۔ جو کبھی کبھی میرے سکون کو تہ و بالا کر ڈالتی ہے۔ تم اس واقعہ میں میری کامیابی کے امکانات پوچھتے ہو۔ سو میں اس کے متعلق بھی کسی دھوکے میں نہیں ہوں۔ میری یہ خواہش ہے۔ کہ میں اُسے حاصل کر سکوں۔

ممکن ہے۔ کہ میں اس خواہش کی تکمیل کے لئے پوری کوشش بھی کروں آخر ہر انسانی فعل صرف اُمیدوں ہی سے تو وابستہ ہوتا ہے۔ مجھے بھی ایک موہوم سی امید ہے۔ لیکن ساتھ ہی مجھے یہ بھی معلوم ہے۔ کہ میری کامیابی قریب قریب ناممکن ہے۔ میں انسانی فطرت سے بخوبی واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ ہر انسان زندگی میں اپنے برابر کا شریک ڈھونڈتا ہے۔ اور سماج میں اس کا درجہ مجھ سے کہیں اونچا ہے۔ شادی کے مسئلہ پر بھی جماعتی اصولوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور میں بطور ایک مارکسی ہونیکے اپنی ابجد کو کبھی نہیں بھول سکتا۔

پرکاش :۔ نرمل! تم اپنی ناامیدی کو فلسفہ سے سلجھانے کی بے سود کوشش کر رہے ہو۔ کوئی لڑکی ایسے خطوط کسی مرد کو نہیں لکھ سکتی جب تک کہ اُسے اُس سے محبّت نہ ہو۔

نرمل :۔ کاش ایسا ہوتا۔

پرکاش :۔ اور یہ حقیقت ہے۔ تمہیں خود پر یقین رکھنا چاہیئے۔ میں یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ اسے تم سے سچی محبّت ہے۔

نرمل :۔ بعض اوقات مجھے بھی اس قسم کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن میں پھر سوچتا ہوں۔ کہ یہ ناممکن ہے۔ اچھا ——— جو بھی ہو ———

پرکاش۔ (چارپائی کے پاس سٹول پر پڑی ہوئی بغیر شیشے کی گھڑی سے وقت دیکھ کر) اوہو ساڑھے آٹھ بج گئے۔ اب مجھے چلنا چاہیئے۔ نرمل تمہیں امید نہ چھوڑنی چاہیئے۔ قسمت ضرور تمہاری یاوری کرے گی۔ اور ہاں اگلے

پرچے میں میرا مضمون ضرور چھپ جانا چاہیئے۔ اچھا گڈ نائیٹ!

نرمل:۔ گڈ نائیٹ پرکاش!

(پرکاش جاتا ہے)

تیسرا سین

منظر

(پورنیما کے باپ ڈاکٹر رتن لال آئی۔ ایم۔ ایس کا ڈرائینگ روم۔ نئی وضع کی بنی ہوئی خوبصورت جالی دار کھڑکیاں۔ بھاری پردے۔ خوبصورت صوفے اور اُن کے نیچے عمدہ ایرانی قالین کمرے کی خوبصورتی کو دوبالا کر رہے ہیں۔ نئی قسم کا ٹیوب فرنیچر نہایت قرینے سے سجایا گیا ہے۔ بائیں کونے میں ایک ریڈیو سیٹ نظر آ رہا ہے کمرے کے وسط میں گدے دار کرسیوں پر پورنیما۔ نلنی اور ان کی ایک سہیلی سجنی بیٹھی ہوئی چائے پی رہی ہیں۔)

وقت بعد دوپہر

نلنی:۔ پورنیما! آج اس جمپر کو پہن کر تم نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہو۔ کہاں سے لیا تھا یہ کپڑا؟

پورنیما:۔ یہ میرا جمپر نہیں۔ میں نے اسے اپنی جماعت کی ایک طالبہ

سے دیکھنے کے لئے مانگا تھا۔ شاید کل تک میرا بھی تیار ہو جائے ــــ
کیوں سبھنی! کیا تمکو بھی یہ پسند ہے ؟

سبھنی :۔ پسند! میں تو اس پر مرتی ہوں۔ تمہیں تو کسی فیشن کے رسالہ کی خریدار بننے کی بھی ضرورت نہیں۔ تمہاری کلاس ہی تمہیں ایک زندہ رسالے کا کام دیتی ہے۔

نلنی :۔ لیکن کب تک ؟ آخر اسے ایک دن کالج کو چھوڑنا ہی ہوگا۔

پورنیما :۔ وہ کیوں ؟

نلنی :۔ کیا تمہارے خیال میں اُمیش تمہیں کالج میں پڑھانے کی اجازت دیگا۔ اسمیں ہمارے خاندان کی سخت توہین ہوگی۔

پورنیما :۔ اگر اس کو میرے پاپا اپنی توہین نہیں سمجھتے۔ تو یہ تمہاری توہین کیونکر ہوگی۔ میں کالج کو کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے کالج سے محبت سی ہوگئی ہے۔ ابھی اسی ماہ میری پچاس روپے ترقی ہوئی ہے۔ اگلے ماہ مجھے اڑھائی سو روپے تنخواہ ملے گی۔

نلنی ۔ بھلا تمہارے اڑھائی سو روپے کس کام آئیں گے۔ دونوں کے لئے اُمیش کے سات سو روپے ماہوار کافی ہونگے ۔

(ایک نوکر چاندی کی طشتری میں ایک چھٹی لاتا ہے۔ اور پورنیما اسے پڑھتی ہے)

نلنی :۔ کس کی چھٹی ہے ؟

پورنیما :۔ یہ نرمل کی چھٹی ہے تمہیں شاید یاد ہوگا۔ وہ نوجوان جو اُسدن

مِس مانجھرا کی ٹی پارٹی میں ملا تھا۔
نلنی :۔ (طنزاً) اچھا تو آنجناب نے ابھی تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اب کیا فرماتے ہیں آپ؟
پورنیما :۔ اس نے اپنے ایک لیکچر کے لئے دو فری ٹکٹ بھیجے ہیں۔ کیا چلو گی؟
نلنی :۔ میں تو نہ جاؤں گی۔ مجھے نہ تو تمہارا لیکچرار پسند ہے۔ اور نہ اُس کا لیکچر!
پورنیما :۔ دیکھو نلنی! اس طرح کسی کا طنز اُڑانا ٹھیک بات نہیں۔ نرمل ایک نہایت دلچسپ انسان ہے۔ ایک قابلِ قدر ادیب ہے۔ اور میں اس کی علمیّت کا ادب کرتی ہوں۔ بلکہ میں تو ایک طرح سے اسے چاہتی بھی ہوں۔ لیکن ....
نلنی :۔ لیکن .... یاد ہے کہ اُس دن وہ پیسٹریوں پر کیسے بھوکوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا!
پورنیما :۔ لیکن اس بات کا کسی انسان کی قابلیت سے کیا تعلق ہے؟
نلنی :۔ اُمیش اکثر کہا کرتا ہے۔ کہ وہ نرمل کا نہایت شکرگزار ہے۔ اس نے تمہارا رتبہ بڑھا دیا ہے۔ تم گمنام تھیں۔ اس نے تمہارے نام کو چار چاند لگا دئے۔ اور اس پر اُمیش کو بجا طور پر فخر ہے۔ چند دنوں تک تمہاری اور اُمیش کی فوٹو سب اخباروں میں ہو گی۔ اور شاید لٹریری ریویو میں بھی۔
پورنیما :۔ اُمیش بالکل بے وقوف ہے۔

تلسی :۔ شاید اسی وجہ سے وہ نرمل کی طرح دربدر خاک نہیں چھانتا پھرتا۔ اور شاید اسی لیئے وہ تمہیں پسند بھی ہے۔ بیوقوف اُمیش!

پورنیما :۔ تلسی میں کسی کی نسبت اس قسم کے توہین آمیز کلمات نہیں سُن سکتی۔ اگر نرمل کے پاس تمہارے بھائی کی دولت کا ایک عشر عشیر بھی ہوتا تو......

تلسی :۔ تو تم اس سے شادی کر لیتیں نا؟

پورنیما :۔ پاگل مت بنو!

سنجنی :۔ تمہاری ان باتوں نے میرے دل میں نرمل کے بارے میں اشتیاق پیدا کر دیا ہے۔ میں اسے ملنا چاہتی ہوں۔ خاص کر اپنی کہانیوں کے لیئے

پورنیما! کیا تم اسے اپنی شادی پہ مدعو کرو گی؟

پورنیما :۔ شادی پہ؟ .... اوہ .... نہیں تو......

(پورنیما اٹھتی ہے۔ اور کمرے سے باہر نکل جاتی ہے۔ تلسی اور سنجنی بھی اس کے پیچھے چلی جاتی ہیں۔)

(لاہور۔ ۱۹۳۹ء)

بچوں کا کھیل

کردار

منو:———— رائے بہادر دیوانچند کا لڑکا عمر ۸ برس
ننھوا———— رائے بہادر کے مالی ہیرا کا لڑکا عمر ۹ برس
ایک موٹی عورت———— منو کی ماں
ننھوا کی ماں

پس منظر:۔ رائے بہادر دیوانچند کی کوٹھی کا کمپاؤنڈ۔ آم کے درختوں کے جھنڈ کے سائے میں منو اور ننھوا کھیل رہے ہیں۔ دونوں درخت سے گری ہوئی ٹہنیوں اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کے "قلعے" بنا رہے ہیں۔ منو ایک "قلعہ" بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

منو:۔ (ناچتے ہوئے) ہمارا قلعہ بن گیا۔ ہا! ہا! ہمارا قلعہ بن گیا۔ اب بچو کیسے بچتے ہو۔ ہم تم پر گولہ باری کریں گے۔

(پاس پڑے ہوئے پتھروں کے چند چھوٹے پتھر اُٹھا کر نھوا کو مارتا ہے۔ نھوا روتا ہے۔)

منو:۔ بس رو پڑے۔ خاک لڑو گے تم؟

نھوا:۔ روتے ہوئے ایک بڑا سا پتھر اُٹھا کر منو کے قلعے پر مارتا ہے قلعہ گر جاتا ہے ——— ہوں ہوں! اب تمہارا قلعہ گر گیا۔ اب تم مار نہیں سکتے پیچھے ہٹو۔ اب ہم یہ کھیل نہ کھیلیں گے۔ تم بہت زور سے مارتے ہو۔

منو:۔ پھر کیا کھیلیں؟

نھوا:۔ کوئی نیا کھیل۔

منو:۔ اچھا ہم بتاتے ہیں۔ ہمیں ایک نیا کھیل یاد آیا۔ تم میرا گھوڑا بنو۔ میں تم پر چڑھوں گا۔ پھر تم مجھے سنو ویو (Snow view) لے چلنا۔

نھوا:۔ "سنو وو" کیا ہوتا ہے بابو؟

منو:۔ ارے اُلّو سنو وو نہیں، سنو ویو۔ یہ نینی تال میں ایک اونچی چوٹی ہے، جہاں سے برف دکھائی دیتی ہے۔ بڑے مزے کی جگہ ہے۔ ہم ہر سال وہاں جاتے ہیں۔

نھوا:۔ بابو! اس سال ہمیں بھی لے چلنا۔

منو:۔ تم کیسے جاؤ گے وہاں، وہاں جانے کا کرایہ لگتا ہے۔ اور پھر راستہ بھی تو بڑا خطرناک ہے۔ سر میں چکر آتے ہیں۔ باہر دیکھو تو قے آتی ہے۔ اور

اگر کہیں لاری کھڈ میں گر جائے تو سب لوگ مر جاتے ہیں۔ پچھلے سال ایک لاری کھڈ میں گر پڑی تھی۔ سب آدمی مر گئے تھے۔

ننھوا :۔ لیکن بابو تم تو ہر سال جاتے ہو۔ تم کیوں نہیں مرتے؟

مُنو :۔ ارے پاگل ہم تو موٹر میں جاتے ہیں۔ موٹر کی کھڑکیاں بند کر لو تو کچھ نہیں ہوتا۔ اور موٹر کھڈ میں کبھی نہیں گرتی۔ تمہارے پاس کہاں ہے موٹر؟ تم تو لاری میں ہی جاؤ گے نا۔ اور لاری ہی کھڈ میں گرتی ہے۔

ننھوا :۔ نہ بابا! ہم تو پھر نینی تال نہ جائیں گے۔ اور پھر میں گھوڑا بن کر کیسے جا سکتا ہوں۔ مجھے تو راستہ بھی نہیں معلوم۔

مُنو :۔ اچھا "سنو ویو" نہ سہی۔ تم ہمیں سکول ہی لے چلو۔

ننھوا :۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن تمہیں بھی اپنی باری دینی ہوگی۔

مُنو :۔ ہاں ضرور! ——

(منو دوڑ کر تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ایک پتھر رکھ دیتا ہے۔ اور وہیں سے آواز دیتا ہے)۔ دیکھو اے ننھوا! یہ رہا سکول —— بھاگ کر نزدیک آتا ہے اور درخت سے ایک ٹہنی توڑ لیتا ہے

چلو اب بنو گھوڑا ——

ننھوا :۔ بھئی یہ چھڑی وڑی ہم نہ مانیں گے۔ اسکو رکھ دو۔

مُنوا :۔ ارے بغیر چھڑی کے ہم سواری کیسے کریں گے۔ یہ تو سواری کے لئے ضروری ہے۔

ننھوا :۔ اچھا تو پھر اپنی باری پر ہم بھی چھڑی لیں گے۔ لیکن زور سے

مت مارنا۔ دیکھو بھیا ہم نے قمیص بھی تو نہیں پہنی ہوئی۔

مُنو:۔ نہیں زور سے نہیں ماروں گا ــــ میرا اچھا گھوڑا ننھوا ــــ

(ننھوا زمین پر ہاتھ ٹیک کر گھوڑا بنتا ہے اور مُنو اُس پر سوار ہو جاتا ہے)

منو۔ تت۔ تت . . . . دھ . . . . دھ . . . . . چل میرے گھوڑے

چھڑی سے مارتا ہے۔

ننھوا:۔ آہستہ مارو۔ منو ذرا آہستہ۔

مُنو:۔ تم ذرا جلدی چلو نا۔ مجھے سکول سے دیر ہو رہی ہے۔

"ننھوا گھوڑا" سکول پہنچ جاتا ہے

ننھوا:۔ اب اُترو۔

مُنو:۔ ارے یہ گھوڑا تو بولتا ہے۔ کیا سکول آ گیا ؟

ننھوا:۔ ہاں صاحب آ گیا۔

مُنو:۔ شاباش میرے گھوڑے۔ تو بہت جلد مجھے "سکول" لے آیا۔

مُنو ننھوا کی پیٹھ سے اُتر کر اِدھر اُدھر ٹہلتا ہے۔ اور اُس کے پاس آکر ننھوا سے مخاطب ہوتا ہے۔

مُنو۔ دیکھو میرے گھوڑے سکول تو آج چھٹی ہے۔ اور کل بھی، اور اگر کل ہماری بڑی مس مر جائے تو پرسوں بھی۔

ننھوا:۔ تو پھر ہم کیا کریں ؟

مُنو:۔ اچھا آؤ۔ ہم تمہیں آج اپنا سکول دکھائیں۔

ننھوا :۔ بھیا ہمیں بھی اپنے سکول میں داخل کر لو۔

منو :۔ ہوں، پاگل گھوڑا، سکول میں تو آدمی پڑھتے ہیں۔ جانور نہیں۔

ننھوا :۔ دیکھو منو۔ میں تمہیں ہر روز گھوڑا بن کر سکول چھوڑ آیا کروں گا تم مجھے سکول میں داخل کر لو۔

منو :۔ ہیرا مالی سے کہو کروا دے گا۔ مجھے تو پتا جی نے داخل کروایا تھا۔ اور پھر یہاں فیس بھی لگتی ہے۔

ننھوا :۔ فیس! کتنی فیس بابو؟

منو :۔ (ہنس کر) جتنی تیرے باپ کی تنخواہ ہے۔

ننھوا :۔ اچھا بھئی پہلے دیکھ لیں۔ اگر پسند آگیا تو داخل ہو جائیں گے۔ گاؤں میں ہماری جمین (زمین) بھی تو ہے۔

منو :۔ ہوں، داخل ہوگا۔ مالی کا لڑکا۔

ننھوا :۔ مالی کے لڑکے کو کیا سکول میں داخل نہیں کرتے۔

منو :۔ (ہنستے ہوئے) کرتے ہیں۔ ضرور کرتے ہیں لیکن پہلے سکول دیکھ تو لو۔ یہ دیکھو۔۔۔ (چھڑی سے اینٹ پر ایک نشان بنا کر) اسجگہ میں بیٹھتا ہوں اور میرے ساتھ منی بیٹھتی ہے۔ انجینیر صاحب کی لونڈیا۔ ہمارے بالکل سامنے ہماری مس بیٹھتی ہے، وہ ہمیں پڑھاتی ہے۔ جب وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیرتی ہے تو میں زور سے منی کو چوٹی کھینچتا ہوں جب وہ روتی ہے تو مس پوچھتی ہے "کیا ہوا" تو منی میری طرف اشارہ کر دیتی ہے۔ پھر مس مجھے مارتی ہے۔ بڑی خراب ہے ہماری مس۔

میرا کان پکڑ کر مروڑ دیتی ہے۔
ننھوا:۔ رامو کمہار کی لونڈیا کہتی تھی۔ یہ مس بڑی بدمعاش ہوتی ہیں۔
منو:۔ اس چھوکری کو کیا پتہ۔ ہماری مس بہت خوبصورت ہے جب کبھی بڑے ماسٹر جی جماعت میں آ جاتے ہیں۔ تو دونوں خوب ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں۔ اُس وقت اگر میں منی کی چوٹی کھینچتا ہوں تو مس مجھے کچھ نہیں کہتی۔
ننھوا:۔ بڑے ماسٹر جی کون ہیں۔
منو:۔ وہ سکول کے سب سے بڑے ماسٹر ہیں۔
ننھوا:۔ پھر تو وہ بہت بڑے آدمی ہونگے۔
منو:۔ ہاں! وہ بہت اچھے ہیں ہمیں کبھی نہیں مارتے —— اور یہ دیکھو۔ (ایک اور اینٹ کے پاس جاکر) اسجگہ ہم سب کھیلتے ہیں سکول سے ہمیں فٹ بال۔ گیند بلا اور کئی اچھی اچھی چیزیں ملتی ہیں۔ یہاں ہم خوب کھیلتے ہیں۔
ننھوا:۔ پھر تو یہ بہت اچھی جگہ ہے۔ ہم ماں سے کہیں گے کہ جمین (زمین) بیچ ڈالے اور ہمیں سکول داخل کروا دے۔
منو:۔ پھر تو مجھے روز گھوڑا ان کے سکول لایا کرو گے نا۔
ننھوا:۔ پھر کیوں لاؤنگا۔ پھر میں بھی اچھے اچھے کپڑے پہن کر سکول آؤنگا اور ڈپٹی صاحب کی لڑکی کے ساتھ بیٹھونگا۔
منو:۔ آنے دے اب کی مرتبہ رانی کو۔ میں اُسے کہوں گا۔ کہ ننھوا

کہتا تھا میں سکول میں داخل ہو کر تیرے ساتھ بیٹھونگا۔

ننھوا :۔ نہ بھیا۔ دیکھو تم کتنے اچھے ہو۔ میرے بھیا۔ ایسا مت کہنا۔

منو :۔ ہم تو کہیں گے۔

ننھوا :۔ نہ کہنا منو۔

منو :۔ اچھا پھر ہمیں سکول گھوڑا بن کے چھوڑ آیا کروگے نا۔

ننھوا :۔ (منہ بسورتے ہوئے) اچھا لیکن صرف ایک مرتبہ چھوڑنے جاؤنگا۔

منو :۔ اچھا ایک مرتبہ ہی سہی۔ چلو اب تو گھوڑا بنو۔ مجھے گھر واپس لے چلو۔

ننھوا :۔ چلو بھائی چلو۔

گھوڑا بنتا ہے

منو :۔ (ننھوا کی پیٹھ پر سوار ہوکر) جلدی چلو گھوڑے ہماری چائے کا وقت ہو رہا ہے۔ ہم چائے پئیں گے۔ مٹھائی کھائیں گے اور تم گھاس کھانا

ننھوا :۔ ہم بھی مٹھائی کھائیں گے۔

منو :۔ گھوڑے مٹھائی تو نہیں کھاتے۔ ان کی خوراک گھاس ہے۔

ننھوا :۔ ہم ولایتی گھوڑے ہیں۔ صاحب کے گھوڑے۔ ہم گھاس نہیں کھاتے مٹھائی کھاتے ہیں۔

منو :۔ (ہنستا ہے) اچھا منو صاحب کے گھوڑے تم مٹھائی ہی کھانا۔

ننھوا جلدی جلدی منو کو درختوں کے جھنڈ کے نیچے لے آتا ہے۔ منو ننھوا کی پیٹھ سے اتر آتا ہے اور ننھوا اٹھکر کھڑا ہو جاتا ہے۔

ننھکوا:۔ اب تم گھوڑا بنو اور ہم سواری کریں گے۔ اب ہماری باری ہے۔
مُنو:۔ تم کبھی گھوڑے پر چڑھے بھی ہو۔ تمہیں سواری کرنی کیا خاک آئیگی
ننھکوا:۔ اور تم کب چڑھے ہو۔
مُنو:۔ ہم تو ابھی چڑھکر آئے ہیں۔ اور نینی تال میں ہمیشہ چڑھتے ہیں۔
ننھکوا:۔ تو آج ہم بھی ضرور چڑھیں گے۔ بنو گھوڑا۔
مُنو:۔ ہم تو نہیں بنیں گے۔
ننھکوا:۔ تو پھر پہلے کہا کیوں تھا۔
مُنو:۔ اب ہماری چائے کا وقت ہے۔ ہم تو ہرگز نہ بنیں گے۔
ننھکوا:۔ تمہیں بننا ہوگا۔
مُنو:۔ نہیں بنتے کر لو جو کچھ کرنا ہو۔

(دونوں لڑتے ہیں۔ مُنو ننھکوا کو مارتا بھی ہے اور زور زور سے چلاتا بھی ہے۔ اتنے میں کوٹھی کے اندرونی حصے میں سے ایک وزنی جسم والی عورت سفید جارجٹ کی ساڑھی پہنے باہر آتی ہے۔ اور ننھکوا کو ایک دو دھپڑ رسید کرتی ہے۔ ننھکوا روتا ہے اور چلاتا ہے)

موٹی عورت:۔ ایک تو میرے مُنو کو مارے اور پھر چلائے بھی آجکل "دبھل مانسی" کا زمانہ ہی نہیں۔ اِس موئے ہیرے کو کیا ابھی۔لئے یہاں کھڑی دی تھی۔ کہ میرے لال کو پٹوائے۔ موا اب کسطرح گردن جھکائے رو رہا ہے۔ جیسے کسی نے مار ہی دیا ہو۔ ابے ہو ہیرا! سنبھال اِس چھوکرے کو (مُنو سے) تجھے بھی کسی وقت چین نہیں آتا۔ کئی مرتبہ سمجھایا ہے۔ ہمیشہ

اپنے جیسوں سے کھیلنا چاہیئے۔ اِدھر چل۔ چل کے سو یا سبق یاد کر۔
ننھوا اَور بھی زور زور سے روتا ہے سامنے سے ایک چھوٹی سی کوٹھری
سے ننھوا کی ماں باہر آتی ہے۔

ننھوا کی ماں :۔ (دور سے) اے کا ہوا تجھے۔ کاہے کو گلا پھاڑ رہا ہے۔

موٹی عورت :۔ ہوا تیرا چڑیل کا سر۔ مار مار کر میرے منوا کو لال کر دیا ہے۔
(ننھوا کی ماں نزدیک آ جاتی ہے) تجھے مَیں نے پہلے بھی کئی بار کہا ہے
اپنے لونڈے کو سنبھال۔ اب اِسکے لئے کیا بچے باہر آنا چھوڑ دیں۔ خبردار!
اگر کل سے یہ اِس برآمدے میں آیا تو مار مار کے چمڑی اُدھڑوا دوں گی۔
کمینے کہیں کے۔ ذرا سی ڈھیل دو تو سر پر سوار ہو جاتے ہیں۔
(منو کو اپنی گود میں چھپا کر) چلو میرے لال۔

ننھوا۔ (روتے ہوئے) ماں ...... ہاں ...... میں نے......
مَیں نے...... ہاں ...... اِسے نہیں مارا ...... ہاں
ہاں ہاں ...... اَور ...... ہاں ...... بی ...... بی نے
مجھے ...... ہاں ...... ہاں ...... مارا ہے ......

موٹی عورت :۔ (بات کاٹ کر) کمینہ موا۔ جتنا کھلاؤ۔ اُتنا ہی جھوٹ
بولتا ہے۔ تو اگر میرے مُنو کو مارے تو کیا مَیں تجھے چوم کر رکھوں گی۔

ننھوا کی ماں :۔ نہ بی بی۔ یہ کلموا تیسے ہی ایسا۔ میں بھی آج اِسے
مالی اسے نہ پٹواؤں تو باپ کی ناہیں۔ ہم لوگ بھلا آپ کی برابری
کیسے کریں گے۔ بی بی۔ آپ کے ٹکڑوں پر تو جیتے ہیں۔ اب کی بار معاف

کر دیں بی بی جی۔

موٹی عورت بغیر جواب دیئے اناپ شناپ بولتی ہوئی منّو کو کوٹھی کے اندرونی حصّے میں لے جاتی ہے۔ ننھوا کی ماں ننھوا کو مارتی اور گھسیٹتی ہوئی اپنے ساتھ کوٹھری میں لے جاتی ہے۔ سٹیج خالی رہ جاتی ہے اور دُور سے ننھوا کے رونے کی آواز آتی ہے۔

(اپریل ۱۹۴۰ء)

وقت کا خون

کردار

حامد ـــــــــــــــــــ بشیر کا چھوٹا بھائی
حمیدہ بیگم ـــــــــــــــــــ حامد اور بشیر کی ماں
رضیہ ـــــــــــــــــــ حمیدہ کی بھانجی

پس منظر ـــــــــــــــــــ ایک کمرہ

(بشیر تیزی سے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دور سے حامد کو پکارتا ہے)

بشیر۔ حامد بھائی، حامد بھائی، یہ دیکھو میری لغات چھپکر تیار ہو گئی۔

حامد: (چونک کر) کون! بشیر بھائی۔

بشیر: (لغات کی دونوں جلدیں آگے بڑھاتے ہوئے) یہ رہی میری لغات.

حامد:۔ کیا چھپ گئی؟ مبارک ہو بھائی جان!

بشیر:۔ بھئی تمہیں بھی مبارک، میں یہ ناچیز تحفہ تمہیں پیش کرتا ہوں، خدا کی قسم اس سے بہتر اور مستند لغات تمہیں اُردو زبان میں نہیں ملے گی

حامد:۔ کیا شک ہے، شکریہ!

بشیر:۔ (عالمانہ اور ناصحانہ انداز میں) اگر بُرا نہ مانو، تو میری رائے میں تم بھی کچھ کام کرو، "پرستانی کہانیوں" کی ترتیب، بھلا یہ بھی کوئی کام میں کام ہے، اس کام سے تو بیکار رہنا اچھا:

حامد:۔ کیا! ؟ بھائی جان میں تو اس کام میں آپ کی مدد حاصل کرنے کیلئے سوچ رہا تھا:

بشیر:۔ اُونہہ، مجھ سے یہ توقع نہ رکھو بھئی میں خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا، میرا کہا مانو تو، تم بھی ایسے بیکار کام میں اپنا وقت ضائع نہ کرو، فضول سی بات ہے۔

حامد:۔ آپ سراسر مغالطے میں ہیں۔ بھائی جان انھیں پرستانی کہانیوں سے بعض ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کے حل سے دُنیا کے بہت سے دقیق مسئلے طے ہو سکتے ہیں:

(بشیر قہقہہ لگاتا ہے)

حامد:۔ ہنسنا تو کوئی دلیل نہیں، بھلا آپ نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ ہر ملک میں بچوں کو ایک ہی سی پہیلیوں کی کہانیاں کیوں سُنائی جاتی ہیں۔ اور پھر ان کہانیوں میں ہمیشہ گڈریئے کی شادی شہزادی سے کیوں ہوتی ہے اور جب دو بھائی ایک ہی شہزادی سے شادی کرنا چاہتے

ہیں تو ہمیشہ چھوٹا بھائی کیوں کامیاب ہوتا ہے؟ اور ....

بشیر:- چھوڑو بھئی، ان خشک باتوں سے میرا مغز مت چاٹو تمہیں تمہارا کام مبارک، مجھے اپنی نئی لغات میں مصروف رہنے دو۔

(کتاب کھول کر ورق گردانی کرتا ہے)

حامد:- بشیر، دیکھو امّاں جی آ رہی ہیں!

بشیر:- (گھبرا کر) امّاں جی! اب کچھ وقت کا خون ہو گا۔ (آہستہ سے) چلو لائبریری بھاگ چلیں۔

حامد:- اب تو وہ آ ہی گئیں، یہ لو وہ تمہیں پکار رہی ہیں۔

حمیدہ بیگم:- (دور ہی سے) بیٹا بشیر .... بیٹا حامد ......

بشیر:- (جیسے کوئی چونک پڑے) کیا ہے امّاں!

حمیدہ بیگم:- (نزدیک آتے ہوئے) میں کہتی ہوں بشیر کسی وقت تو تم ان موٹی کتابوں کو چھوڑا کرو۔

بشیر:- لیکن امّاں .... حامد بھی۔

حمیدہ بیگم:- حامد کیا؟ حامد خاک ہے اور تم مٹی ہو۔

حامد:- امّاں! ....

حمیدہ بیگم:- امّاں کے بچو۔ کچھ گھر بار کی بھی خبر ہے؟

بشیر:- اس کام کے لئے تم جو ہو امّاں!

حمیدہ بیگم:- اوئی میرے اللہ۔ میں کیا کیا کروں۔ الٰہی مجھے اس گھر سے اب اٹھا ہی لے تو اچھا ہے۔ اس عمر میں بھی کام کروں تو پھر بھی۔ اور

یہ موئے مُشٹنڈے صرف کتابیں دیکھتے رہیں۔ شرم نہیں آتی۔ (رونی آواز سے) نہ اِن کے ابّا مرتے نہ مجھ پر مصیبت آتی......

حامد:۔ امّاں!

حمیدہ بیگم:۔ (نہ سُنتے ہوئے) میں سارا دن گھر میں اکیلی پڑی رہتی ہوں۔ کوئی بات کرنیوالا بھی تو نہیں۔ گھر میں اگر کوئی دوسری عورت ہو تو دِل بہل جائے۔ لیکن یہاں کی تو یہ حالت ہے کہ اگر بیمار ہو جاؤں تو کوئی پانی کا پوچھنے والا نہیں۔

حامد:۔ (جوش سے) بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

بشیر:۔ ہاں اماں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے!؟

(نقل اُتارتے ہوئے) "یہ کیسے ہو سکتا ہے" دس دن سے بخار آ رہا ہے مجھے۔ اور میرے لاڈلے بچے کہتے ہیں" بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔)

حامد:۔ بخار!

بشیر:۔ تم نے ہمیں بتایا بھی تو نہیں اماں!

حمیدہ بیگم:۔ بتاؤں کسے؟ تمہیں کتابوں سے فرصت بھی تو ملے۔ تنگ آکر میں نے رضیہ کو بُلا بھیجا تھا۔ لیکن اب تنہائی سے وہ بیچاری بھی اُکتا گئی ہے۔ اُس سے کوئی بات بھی تو کرے۔ اس گھر میں تو اُلّو بستے ہیں۔

حامد:۔ یہ رضیہ کون ہے اماں؟

بشیر:۔ (گنگنا کر دبی زبان سے) اُف۔ وقت کا خون۔

حمیدہ بیگم :۔ ہائے میرے نصیب۔ ان صاحبزادوں کو اپنی خالہ زاد بہن کا کبھی علم نہیں۔ گھر میں کوئی آئے، کوئی جائے ان کی بلا سے۔ چور گھس آئیں لوٹ کر لے جائیں اور یہ پوچھیں گے "کیا ہوا ہے امّاں" ؟

بشیر :۔ اور کس سے پوچھیں امّاں۔

حامد :۔ (دبی زبان سے) کیا رضیّہ کوئی چور ہے۔

حمیدہ بیگم :۔ (غصّہ سے) چپ رہو۔ اب بہت ہو چکی آج تک میں نے تمہارا بہت لحاظ کیا۔ لیکن آج اچھی طرح سُن لو۔ اب میں اس گھر میں نہ رہوں گی میں آج ہی رضیّہ کے ساتھ اپنی بہن کے گھر جا رہی ہوں۔

بشیر :۔ لیکن امّاں! گھر کا کام..........

حمیدہ بیگم :۔ جہنّم میں جائے تمہارا کام۔ میں تو اب اس گھر میں کبھی نہ رہوں گی........ (دو قدم آگے بڑھتی ہے)

حامد :۔ لیکن امّاں سنو تو۔

حمیدہ بیگم :۔ میں اب کچھ نہیں سنوں گی۔ تم میری نہیں سُنتے تو میں تمہاری کیوں سنوں۔

بشیر :۔ ہم تو بہت عرصہ سے سُن رہے ہیں امّاں۔ لیکن تم کچھ کام کی بات کہو بھی۔

حمیدہ بیگم۔ (تنگ آکر) تو میں اب تک بک ہی رہی تھی کیا؟ کہتے کہتے دس برس بیت گئے۔ تمہارے ابّا بھی اسی حسرت میں قبر میں جا لیٹے اور میں نے ابھی تک کام کی بات ہی نہیں کی۔ اللہ رے میری اولاد۔

حامد:- اماں جان۔ بھائی بشیر کا مطلب یہ ہے کہ گھر سے باہر جانا اچھا نہیں ہوتا۔

حمیدہ بیگم:- لیکن یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ میں ابھی جا رہی ہوں۔

(اور آگے بڑھتی ہے)

حامد:- (بلند آواز سے) اماں!

حمیدہ بیگم:- صرف ایک شرط پر میں یہاں رہ سکتی ہوں۔

حامد۔ بشیر:- (ایک ساتھ) وہ کیا؟

حمیدہ بیگم:- تم میں سے ایک کو رضیہ کے ساتھ شادی کرنی ہوگی۔

بشیر:- (چونک کر) شادی!

حامد:- شادی!!

حمیدہ بیگم:- ہاں شادی! اور اب میں تمہاری ایک نہ سنوں گی۔ تم ہر وقت مجھے ٹال دیتے ہو۔ اسی ٹال مٹول میں تم دونوں کی عمر تیس برس سے زیادہ ہو چکی ہے۔

حامد:- لیکن اماں!

حمیدہ بیگم:- چپ رہو حامد۔ میں تیری سب چالیں سمجھتی ہوں۔ مجھ سے کہتا ہے "اماں پہلے بشیر بھائی کی شادی کر لو۔ پھر میں بھی کر لوں گا" اور جب میں دونوں سے بات کرتی ہوں تو دونوں اکڑ جاتے ہیں۔ اب میں تمہارے ہتھکنڈے خوب سمجھ گئی ہوں۔ اب میرے لئے بڑے چھوٹے کا کوئی سوال نہیں۔ لڑکی میرے ہاتھ میں ہے اور تم دونوں میں سے کسی ایک کو اسکے

ساتھ شادی کرنی ہو گی۔

حامد۔ بشیر (ایک ساتھ) اماں!

حمیدہ بیگم:۔ میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ تم نے مجھے ہر جگہ بدنام کر رکھا ہے تمہاری وجہ سے میں نے بیسیوں رشتے واپس کئے۔ تمہارا گھر بسانے کے لئے لوگوں کے طعنے سہے (روندے ہوئے گلے سے) لیکن تم ہو کہ بوڑھی ماں کو اس عمر میں بھی چین نہیں لینے دیتے۔ میری ہی کوکھ سے پیدا ہو کر مجھ کو جواب دیتے ہو۔ مجھے ہی کہتے ہو کہ میں بک رہی ہوں۔ اس سے تو تم پیدا ہی نہ ہوتے تو اچھا تھا۔

حامد:۔ لیکن گھر سے چلے جانے سے کیا ہو گا ماں!

بشیر:۔ لیکن اماں اس کا اس بات سے تعلق۔

حمیدہ بیگم:۔ تعلق یہ ہے کہ رضیہ تمہاری سب عادتیں ٹھیک کر دے گی۔ اور تمہیں جب زندہ کتاب مل جائیگی تو تم کاغذی کتابیں بھول جاؤ گے۔ عورت زندگی کو رنگین بنا دیتی ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ میرے بچوں کی زندگی بھی رنگین ہو۔ خزاں کے سوکھے ہوئے پتوں کی طرح خشک نہ رہے اور پھر بہو آنے سے گھر میں چہل پہل ہو گی، مجھے بھی قبر کی سی تنہائی سے نجات ملیگی۔۔۔۔۔

بشیر:۔ میں کسی صورت میں بھی شادی نہیں کر سکتا۔

حامد:۔ اور میرا بھی یہی فیصلہ ہے۔

حمیدہ بیگم:۔ تو پھر میں بھی اپنی بہن کے گھر جا رہی ہوں یہ لو سیف کی چابیاں۔

(چابیاں پھینکتی ہے اور جاتی ہے)

بشیر:۔ (بلند آواز سے) لیکن اماں ہم کیا کرینگے۔
حمیدہ بیگم:۔ جو تمہارے دل میں آئے۔

(کمرے سے باہر نکل جاتی ہے)

حامد:۔ (ماں کے پیچھے بھاگتے ہوئے) اماں ٹھہرو ہمیں سوچنے کیلئے وقت دو۔
حمیدہ بیگم:۔ (خاموش)
حامد:۔ اماں جی ہم اس بات پر غور کرنا چاہتے ہیں۔
حمیدہ بیگم:۔ میں تمہیں آدھ گھنٹے کا وقت دے سکتی ہوں۔ میرے واپس ہونے تک تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا۔ کہ رضیہ کے ساتھ شادی کرنے کیلئے کون تیار ہے؟
بشیر (ماں کے پاس پہنچکر) صرف آدھ گھنٹہ میں بھلا کیا سوچا جا سکتا ہے۔
حمیدہ بیگم:۔ صرف آدھ گھنٹہ! اور تمہیں گیارہ بجے تک فیصلہ کرنا ہوگا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔

(جاتی ہے)

(حامد اور بشیر کمرے میں واپس آتے ہیں)

بشیر:۔ (کمرے میں پاؤں زمین پر مارتے ہوئے ادھر اُدھر گھومتا ہے۔) کس قدر وقت کا خون .... پاؤں کی آواز۔ ایک نئی آفت۔ (دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑ کر) او میرے خدا ....
حامد:۔ بھائی بشیر۔ اب تو تمہیں شادی کرنی ہی ہوگی۔
بشیر:۔ لیکن مجھے کیوں؟ تمہیں کیوں نہیں؟
حامد:۔ کیونکہ تم عمر میں مجھ سے بڑے ہو۔

بشیر:۔ یہ کوئی دلیل نہیں۔
حامد:۔ بھلا سوچو تو بشیر میں پہلے کسطرح شادی کر سکتا ہوں۔
بشیر:۔ تو میری طرف سے صاف انکار ہے۔
حامد:۔ اور ادھر میرا بھی یہی جواب ہے۔
(دونوں ٹہلتے ہیں)
بشیر:۔ سنو حامد! مجھے ایک تدبیر سوجھی ہے۔
حامد:۔ کیا؟
بشیر:۔ چلو ہم تم بھاگ چلیں۔
حامد:۔ لیکن جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟
بشیر:۔ جو بھی ہو۔
حامد:۔ اماں کا دم نکل جائیگا یہ سوچ لو۔
بشیر:۔ عجب مشکل ہے، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔
حامد:۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ اماں کو رضیہ کے ساتھ جانے دیں۔
بشیر:۔ تب بھی تو وقت کا خون ہوگا۔ گھر کا کام کاج کیا ہم کرینگے۔
حامد:۔ تو پھر کیا کیا جائے۔
بشیر:۔ مجھے تو کچھ نہیں سوجھتا۔ میری سنو تو تم ہی مان لو۔ دیکھو حامد میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔
حامد:۔ ہاتھ جوڑنے سے کچھ نہ ہوگا۔ شادی کا پہلا حق تمہارا ہے۔
بشیر:۔ میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔

حامد:۔ ہوں! ہوں اور کام اسطرح نہیں چلے گا۔
بشیر:۔ بہر حال میری طرف سے تو انکار ہے۔
حامد:۔ (چٹکی بجا کر) سنو ایک بات کریں۔ اس امر کا فیصلہ قسمت پر چھوڑیں۔
بشیر:۔ وہ کیسے؟
حامد:۔ قرعہ اندازی سے۔ جس کے نام یہ قرعہ پڑے وہی شادی کرے۔
بشیر:۔ میں اس قسم کے توہمات پہ یقین نہیں رکھتا۔
حامد:۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ طریقہ قدیم روما اور یونان کی روایات کے عین مطابق ہے۔
بشیر:۔ میں اندھا دھند اپنے آپ کو کسی خطرے میں ڈالنے کیلئے تیار نہیں۔
حامد:۔ سنو بشیر ہم دونوں شادی کرنا نہیں چاہتے۔ ہم میں سے کوئی بھی جھکنے کو تیار نہیں لیکن ایک کو ایسا کرنا ہوگا۔ اس کے لئے صرف ایک ہی طریقہ ہے جس سے یہ گتھی سلجھے اور وہ یہ کہ ہم یہ فیصلہ قسمت پر چھوڑ دیں۔
بشیر:۔ (ہار مانتے ہوئے ایک گہرا سانس لیکر) اچھا بھائی .... لیکن قرعہ اندازی کس طرح ہوگی۔
حامد:۔ یہ تو بہت آسان ہے۔ یہ دیکھو۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا لیا اور اسے برابر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا .... یوں اب ان میں سے ایک پر شادی کا لفظ لکھ دیتے ہیں شا .... د .... ی .... یوں .... اب ہم ان دونوں ٹکڑوں کو تہہ کر لیتے ہیں ......

اس طرح سے۔

بشیر:۔ حامد، تم واقعی بہت ایماندار ہو۔ اب اس کے بعد؟

حامد:۔ اب ان کو......... (ادھر اُدھر نظر دوڑاتا ہے۔ حتیٰ کہ اسکی نظر کھونٹی پر ٹنگی ہوئی فیلٹ پر پڑتی ہے) ہاں وہ رہی تمہاری فیلٹ۔ اب ان کاغذ کے ٹکڑوں کو تمہاری فیلٹ میں ڈال کر خوب ہلایا جائے گا۔

بشیر:۔ نہ بھائی۔ یہ غلط بات ہے۔ تم اپنی فیلٹ ہی استعمال کرو۔

حامد:۔ اچھا یوں ہی سہی (کھونٹی سے اپنی فیلٹ اتارتے ہوئے) یہ رہی میری فیلٹ۔ اس میں ان دونوں ٹکڑوں کو ڈال کر خوب ہلایا۔ چلو.....

بشیر:۔ بھائی ذرا اچھی طرح سے ہلانا۔

حامد:۔ تم ذرا فکر نہ کرو۔ لو اب تم کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھالو۔ اگر تم نے وہ ٹکڑا اٹھایا جس پر "شادی" لکھا ہُوا ہے تو شادی تمہیں کرنی ہوگی۔

بشیر:۔ (کچھ خوفزدہ ہو کر) نہ بھائی نہ! مجھ میں اتنی ہمت نہیں پہلے تم ہی اٹھاؤ۔

حامد:۔ (بے صبری سے) اچھا ایسے ہی سہی.........

بشیر:۔ ٹھہرو! پہلے اپنی آنکھیں موند لو۔ ادھر آؤ میں تمہاری آنکھیں موند دوں۔

(بشیر حامد کی آنکھیں ہاتھوں سے بند کرتا ہے اور حامد کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھا لیتا ہے)

حامد :۔ یہ رہا میری قسمت کا فیصلہ۔ اب چھوڑ دو میری آنکھیں۔

بشیر :۔ اب کھول دو اس کو۔

حامد :۔ ہوں! ہوں! پہلے تم دوسرا کاغذ اٹھا لو پھر ایک دم دونوں کھولینگے

بشیر :۔ (کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اٹھاتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں کہتا ہے) لو بھائی اس پہ رہا میری قسمت کا فیصلہ۔

(دونوں اپنے اپنے پرزے کھولتے ہیں)

بشیر۔ (کھولنے سے پہلے دعا کرتا ہے) اے میرے خدا ....

حامد :۔ (خوشی سے اچھلتے ہوئے) خالی۔ میرا پرزا خالی۔

بشیر :۔ جلدی سے کاغذ کا پرزا کھولتے ہوئے آہستہ آہستہ پڑھتا ہے۔ "شا....... د........ ی" (پھر دھم سے کرسی پر گرتا ہے) ہائے میں لٹ گیا۔

حامد :۔ بھائی جان۔ یہ قسمت کا فیصلہ ہے۔ اب آپ کو شادی کرنی ہی ہوگی۔ میں ابھی اماں کو بلاتا ہوں۔

(بھاگتا ہوا باہر جاتا ہے)

بشیر :۔ میرے خدا.......... میری لغات............ وقت کا خون۔ قیمتی وقت...........

(گھڑی میں گیارہ بجتے ہیں)

حامد اور حمیدہ بیگم کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

حامد :۔ اماں۔ بشیر بھائی شادی کیلئے رضامند ہیں۔

بشیر:۔ حامد ...... رحم کرو ....

حمیدہ بیگم (نہ سنتے ہوئے) میرا اچھا بیٹا بشیر۔ میں نہ کہتی تھی کہ میرا بشیر خوش نصیب ہے۔ آج میری خوشی کی انتہا نہیں۔ وہ کتنا خوشی کا وقت ہوگا جب ڈھولک بجیں گی۔ اور بہو کی چوڑیوں کی جھنکار سے یہ گھر گونج اٹھے گا۔

بشیر:۔ (نحیف آواز میں) چوڑیاں! .... بہو! ......

حمیدہ بیگم:۔ اس کام سے تو میرا رواں رواں خوش ہوتا ہے۔ میں آج ہی سے شادی کی تیاری کروں گی۔

بشیر:۔ لیکن اتنی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی اماں۔

جلد بازی (ہنستے ہوئے) میرے اچھے بشیر تجھے کیا معلوم کہ شادی میں کتنا کام ہوتا ہے۔ کپڑے۔ زیور۔ فرنیچر۔ مٹھائی .... سب ہی کا تو انتظام کرنا ہے۔

بشیر:۔ اچھا ماں۔ جو جی میں آئے کرو لیکن اب میرا پیچھا چھوڑو۔

حمیدہ بیگم:۔ بیٹا تمہیں کیا ہو رہا ہے۔

بشیر:۔ ماں میرے بدن سے انگارے پھوٹ رہے ہیں۔

حامد:۔ اماں۔ شگون تو سب اچھے ہیں۔ وہ دیکھو سامنے صحن میں رضیہ آرہی ہے۔

حمیدہ بیگم:۔ دیکھو بیٹا بشیر۔ ذرا کپڑے بدل لو۔ رضیہ تمہیں ان کپڑوں میں دیکھ کر کیا کہے گی۔

بشیر:۔ (اکتا کر) جو بھی کہے مجھ کو کچھ پرواہ نہیں۔

حامد :۔ اماں اب تم جاؤ۔ بھائی صاحب سے میں نپٹ لوں گا۔

حمیدہ بیگم :۔ (صحن کے دوسری طرف کے کمرے میں جاتی ہے۔ راستے میں رضیہ کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر بڑبڑاتی ہے") ہائے اللہ یہ کتابوں کی بیماری تو رضیہ کو بھی لگ گئی۔ اب اس گھر کو خدا ہی بچائے" (رضیہ کے پاس پہنچکر) رضیہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

رضیہ :۔ (چونک کر) کتاب ہے خالہ اماں۔

حمیدہ بیگم :۔ میرا خیال تھا کہ اس گھر میں کتابی کیڑے پہلے ہی سے بہت ہیں۔

رضیہ :۔ خالہ اماں۔ یہ تو حامد بھائی کی نئی کتاب ہے "برفانی سیاحت" نہایت ہی دلچسپ کتاب ہے۔ بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔

حمیدہ بیگم :۔ اگر تجھے کتابیں ہی پسند تھیں تو بشیر ان سے کہیں موٹی موٹی کتابیں لکھتا ہے۔

رضیہ :۔ یہ تو میں خوب جانتی ہوں کہ بشیر بھائی بڑی بڑی عالمانہ کتابیں لکھتے ہیں لیکن وہ کتابیں دلچسپ نہیں۔ اور پھر مجھے تو اُن میں سے کچھ سمجھ میں بھی نہیں آتا۔

حمیدہ بیگم :۔ اچھا تم جانو، تمہارا کام۔

(جاتی ہے)

(رضیہ کتاب پڑھنے میں مصروف نظر آتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی سامنے برآمدے میں حامد اور بشیر کی طرف بھی دیکھ لیتی ہے۔ جو آپس میں باتیں کر رہے ہیں)

حامد:۔ اماں ٹھیک کہتی ہیں۔ بھائی بشیر۔ اب شادی کرنی ہی ہے۔ تو کپڑے بھی بدل ڈالو۔ جب تک رضیہ یہاں ہے اس پر اچھا ہی اثر پڑنا چاہیئے۔

بشیر: اچھا بھئی یوں ہی سہی۔ قربانی سے پہلے بکرے کو خوب سجا لو۔

(کمرے میں چلا جاتا ہے)

حامد:۔ (خود بخود رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے) بشیر ہے تو خوش نصیب اور پھر رضیہ کے خط و خال بھی تو اُس پری کی طرح خوبصورت ہیں جس نے ایک شہزادے کے ساتھ شادی کرنے کیلئے ہزاروں انسانوں کو پتھر بنا دیا تھا لیکن بشیر بھائی تو اس شہزادے کی طرح نہیں ہیں۔ کپڑے بدلنے سے بھلا کیا ہوگا۔

(قدموں کی چاپ)

وہ کپڑے بدل کر شاید آ ہی رہا ہے۔

حامد:۔ ہیلو بشیر .... بھئی خوب ہے۔ اب کہیں رضیہ اِدھر دیکھ لے ....

بشیر:۔ تو کیا ہو؟

(صحن میں سے رضیہ بشیر کی طرف دیکھتے ہوئے خود بخود گویا ہوتی ہے)

رضیہ:۔ آج بشیر بھائی نے کیا شکل بنائی ہے۔ نیلی قمیص۔ کالی ٹکٹائی سُرخ سویٹر اور اُس پر گھٹا ہوا سبز کوٹ ....! ؟

(منہ پر رومال رکھ کر ہنستی ہے)

حامد :۔ وہ دیکھو نا سامنے صحن میں تو بیٹھی ہے ۔

بشیر :۔ کوئی کتاب پڑھ رہی ہے اور پڑھ پڑھ کر ہنس رہی ہے ۔ کتنی جاہلانہ حرکت ہے ۔

حامد :۔ بھائی صاحب آپکو اُس کے ساتھ باتیں کرنی چاہئیں ۔

بشیر :۔ کیوں ؟

حامد :۔ کیونکہ آپکو اس کے ساتھ شادی کرنی ہو گی ۔

بشیر :۔ تو کیا شادی کرنے سے پہلے باتیں کرنا ضروری ہیں ۔

حامد :۔ مغرب میں تو یہی رواج ہے ۔

بشیر :۔ (بے چینی سے کوٹ کے بٹن کھولتے ہوئے) قسمت نے کہاں تک پہنچا دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حامد :۔ دیکھو سامنے صحن میں رضیہ کھڑی ہے ۔ جیسے تمہاری ہی طرف دیکھ رہی ہو ۔

رضیہؔ :۔ (بشیر کی طرف دیکھتے ہوئے) یہ میری طرف کیوں گھور رہے ہیں ۔

حامد :۔ بشیر بھائی اب یہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہو ۔ جاؤ نہ رضیہؔ کے پاس ۔

بشیر :۔ دیکھو حامد ۔ تم خود ہی خیال کرو ۔ وہ تو اس وقت کتاب پڑھ رہی ہے میں بھلا خواہ نخواہ کیوں اس کے وقت کا خون کر دوں ۔

حامد :۔ تو کیا تم اس وقت تک انتظار کرو گے جب تک وہ کتاب ختم نہ کرے ۔

بشیر:۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔
حامد:۔ بس یہی کہ تم رضیہ کے پاس جا کر کھڑے ہو جاؤ اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دو۔ اور جب وہ بھی باتیں کرنے لگے تو تم میٹھی میٹھی محبت بھری باتوں سے اس کا جی بہلاؤ۔ آخر تمہاری خالہ زاد بہن ہی تو ہے۔
بشیر:۔ یہ کام تو مجھ سے نہ ہو سکے گا۔
حامد:۔ لیکن تمہیں کرنا ہوگا۔
بشیر:۔ لیکن بخدا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نہ جان نہ پہچان میں اُس سے باتیں شروع کس طرح کروں۔
حامد:۔ مثال کے طور پر تم کہہ سکتے ہو "آداب عرض بہن رضیہ" آج موسم کتنا خوشگوار ہے" یا کوئی اور ایسی ہی بات۔
بشیر:۔ یہ بہت مشکل ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔
حامد:۔ (تنگ آکر) تم بالکل بیوقوف ہو۔ (اُسے بہ آہستہ اور صحن کی درمیانی دیوار کے پیچھے دھکیلتے ہوئے) ادھر آؤ۔ اس دیوار کے پیچھے۔ اب تم اپنے آپ کو رضیہ سمجھو اور مجھے بشیر:

(چند قدم آگے بڑھ کر پھر واپس مڑ آتا ہے)

آداب عرض ہے بہن رضیہ۔
بشیر:۔ ہاں ہاں!
حامد:۔ آ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ج موسم کتنا خوشگوا ۔ ۔ ۔ ۔ رہے۔
بشیر:۔ ہاں!

حامد:۔ مجھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ م ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ م ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (چپ ہو جاتا ہے)

بشیر:۔ دیکھ لیا تم بھی اس پارٹ کو نہ نبھا سکے۔

حامد:۔ (جھنجھلا کر) تم کسطرح امید کر سکتے ہو کہ میں ایسے شخص سے محبّت بھری باتیں کروں جو زنگار رنگ اور بیہودہ کپڑوں میں ملبوس ہو۔ اسطرح تو وہ ماحول ہی پیدا نہ ہوگا۔ رضیہؔ کے ساتھ باتیں کرنا تو بہت ہی آسان کام ہے۔

بشیر:۔ تو پھر جاؤ تم ہی اس سے باتیں کیوں نہیں کر لیتے۔

حامد:۔ مجھے منظور ہے لیکن میں صرف تمہیں سکھانے کے لئے ایسا کروں گا۔ شادی تم ہی کو کرنی ہوگی۔

بشیر:۔ ہاں! ہاں! وہ تو میرا ہی نصیب پھوٹے گا۔

حامد:۔ اچھا تو تم صحن میں اُس بڑ کے درخت کے پیچھے کھڑے ہو کر غور سے دیکھنا اور ہماری باتیں سُننا۔ میں تمہیں آغاز کرنا سکھا دوں گا اور یہی مرحلہ مشکل ہے۔

بشیر:۔ ہاں! یہ ٹھیک طریقہ ہے۔

حامد:۔ تو میں جا رہا ہوں رضیہؔ کے پاس۔

رضیہؔ:۔ (کتاب کی آڑ سے جھانکتے ہوئے) اوہو! یہ اِدھر کون آ رہا ہے۔ یہ تو حامد ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (پھر سمٹ کر کتاب پڑھنے میں مشغول ہو جاتی ہے)

بشیر:۔ ادبی زبان سے ابھی دیکھ رہا ہوں حامد۔

حامد:۔ ہاں! ہاں! دیکھتے جاؤ اور سُنو بشیر۔ اماں سچ کہتی تھیں۔ رضیہ بہت خوبصورت ہے۔ (خود بخود) اُوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تو کچھ ٹیڑھی کھیر معلوم ہوتی ہے۔ آسان کام نہیں بہر حال اب تو آگے ہی بڑھنا چاہیئے۔

بشیر :- (دبی زبان سے) بھائی حامد۔

(چڑ کر) اب کیا ہے تم کچھ بھی نہ ہونے دو گے۔ میں ماحول پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ تم نے ....

دیکھو حامد اس طرح مجھے کچھ بھی یاد نہ رہے گا۔ مجھے کمرے سے کاپی اور پنسل لا دو۔

حامد :- بہت اچھا .... لیکن اگر تم چپ نہ رہے تو کچھ بھی نہ ہوگا۔

(کمرے میں جا کر اور پھر واپس آ کر)

یہ لو کاپی اور پنسل۔ اب چپ چاپ اس درخت کی آڑ میں بیٹھ کر سب کچھ دیکھتے رہنا۔

(رضیہؔ کی طرف جاتا ہے)

بشیر :- (کاپی کھول کر) لو بھائی میں تیار ہوں۔

حامد :- لیکن اب چپ رہو۔

(رضیہؔ کے پاس جا کر)

حامد :- آداب عرض ہے بہن رضیہ۔

رضیہؔ :- (شرماتی ہوئی سمٹتی سمٹاتی اٹھ کر نہایت ادب سے) آداب عرض بھائی صاحب۔

حامد :- آج اماں سے آپ کی آمد کی خبر ملی۔ اُمید ہے کہ آپ کا جی لگ گیا ہو گا۔

رضیہؔ :- ہاں، لیکن ذرا تنہائی ہے۔

(ہاتھ ملتے ہوئے) مجھے یہ سن کر بہت خوشی .... یہ ...... یہ .... معاف کیجیے گا۔

رضیہ :۔ آپ بیٹھیے تو۔

حامد :۔ (بیٹھتے ہوئے) دراصل آپ مطالعہ میں مصروف ہیں اور میں آپ کے مطالعہ میں خارج نہیں ہونا چاہتا۔

رضیہ :۔ (کتاب بند کرتے ہوئے) اجی نہیں۔ مجھے تو آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔

حامد :۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کیا پڑھ رہی تھیں۔

رضیہ :۔ ایک کتاب ہے۔ ڈاکٹر حامد محمود صاحب کی لکھی ہوئی۔

حامد :۔ میری لکھی ہوئی۔

رضیہ :۔ جی ہاں۔ آپ کی لکھی ہوئی "برفانی سیاحت" مجھے یہ بہت پسند ہے۔

بشیر :۔ (درخت کے پیچھے سے دبی زبان میں) کیا میری لغات اس نے ابھی تک نہیں دیکھی۔

حامد :۔ آپ کا شکریہ۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کو مطالعہ کا شوق ہے۔

بشیر :۔ میری لغات اس نے دیکھی ہی نہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ میں بھی لے آؤں اپنی لغات۔

(پنجوں کے بل صحن سے برآمدے میں اور پھر کمرے میں

جا کر دو جلدوں میں لغات اُردو۔ از ڈاکٹر بشیر محمود" لے آتا ہے اور پھر اسی طرح درخت کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔)

رضیہ :۔ جی ہاں! مجھے مطالعہ کا بہت شوق ہے۔ لیکن خالہ اماں تو کہتی تھیں کہ اس عادت سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے۔

حامد :۔ بالکل غلط۔ میری رائے میں تو مطالعہ دُنیا بھر کا بہترین شغل ہے

رضیہ :۔ اچھا تو اگلی بار جب خالہ اماں نے مجھے پڑھنے سے روکا تو میں آپکا حوالہ دیدوں گی۔

حامد :۔ نا نا، خدا کیلئے ایسا نہ کرنا۔ اگر اماں کا بس چلے تو میں ساری عمر یا تو کسی دفتر کی کلرکی کروں۔ اور یا اُن کے ولاتوں کے پیچھے بھاگا بھاگا پھروں۔

رضیہ :۔ اور مجھے سوائے کھانا پکانے اور کشیدہ کاڑھنے کے اور کوئی کام ہی نہ ہو۔

حامد :۔ اور اماں کے خیال میں یہ ایک بہترین جوڑنے کی مثال ہے۔

(دونوں ہنستے ہیں)

بشیر :۔ (بلند آواز سے) حامد!

حامد :۔ (اُچھلتے ہوئے) اب کیا ہے؟

(رضیہ سے) میں ابھی حاضر ہوا۔

(درخت کے پیچھے جا کر بشیر کو اور بھی پرے دھکیلتے ہوئے)

حامد :۔ (غصے اور تمکنت سے) دیکھو بشیر تم نے پھر بنا بنایا کھیل چوپٹ کر دیا۔

بشیر :۔ دیکھو حامد۔ میری لغات میں طباعت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی

ہیں۔ کتنی شرمناک بات ہے۔ کتنی شرمناک۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے سب پروف دیکھ لئے تھے۔ میں آج ہی ناشر کو لکھتا ہوں کہ وہ لغات کا نیا ایڈیشن چھپوائے۔

حامد:۔ بشیر تم یہ کیا ہذیان بک رہے ہو۔ اب اس بدبخت لغات کا خیال چھوڑو۔ اور اس بات کی طرف دھیان دو کہ تمہیں رضیہ سے باتیں کرنی ہیں۔

بشیر:۔ اوہ! میں یہ بات تو بھول ہی گیا تھا۔ مصیبت اکیلی نہیں آتی لیکن اب میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں بہت پریشان ہوں۔

حامد:۔ (بشیر کو برآمدے کی طرف دھکیلتے ہوئے) ادھر آؤ برآمدے میں .... اب پاگل مت بنو۔ یہی ایک موقع ہے۔ تھوڑی دیر میں اماں آتی ہوں گی۔ تم اس وقت آرام کرو۔ جب تمہارا دماغ درست ہو جائے تو تم رضیہ کو اکیلے پاؤ گے اور پھر .... (صحن کی طرف دیکھتے ہوئے) ارے رضیہ تو جا رہی ہے۔ اچھا میں اُسے روکتا ہوں اور اب تم تیار رہو ....

(بھاگ کر رضیہ کے پاس صحن میں جاتا ہے)

حامد:۔ کیا آپ جا رہی ہیں رضیہ۔

رضیہ:۔ نہیں تو! میں نے سمجھا کہ آپ اور بشیر بھائی کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

حامد:۔ بھائی صاحب کی تو عادت ہے کہ ہر وقت پریشان کرتے ہیں۔

(دونوں بیٹھ جاتے ہیں)

رضیہ:۔ ہاں تو ....

حامد:۔ ہم کیا باتیں کر رہے تھے؟

رضیہ :۔ آپ کی کتاب ہی کا تذکرہ تھا۔

حامد :۔ تو کیا واقعی آپ کے خیال میں میں ایک بے حس کتابی کیڑا نہیں۔ اماں تو یہی کہتی ہیں۔

رضیہ :۔ اگر آپ کی کتابیں اسی طرح دلچسپ ہیں تو بھلا آپ کیسے بے حس ہو سکتے ہیں۔ لوگ سفر کرتے ہیں تو سیاحت کے تجربات، سیاحت کی مسرّت اپنے تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ اور آپ کتابیں لکھ کر اپنی ساری خوشی بانٹ دیتے ہیں۔ ایک بے حس انسان تو ایسا نہیں کر سکتا۔

حامد :۔ کتنا خوبصورت خیال ہے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ میں نے اس تصنیف کو کبھی اس احساس سے نہیں دیکھا، رضیہ! میں پوچھتا ہوں ہماری ملاقات اس سے پہلے کیوں نہیں ہوئی۔

رضیہ :۔ میں کیا جانوں۔

بشیر پھر درخت کے پیچھے آ بیٹھتا ہے

بشیر :۔ (خود بخود بڑبڑاتا ہے) "شروع کرنے میں" بھی کتنا وقت لگتا ہے میرے قیمتی وقت کا خون۔

حامد :۔ ہاں! غلطی تو میری ہی تھی۔ آج تک تو میں اندھا تھا لیکن اب آپ کی وجہ سے بینائی حاصل ہو گئی ہے۔ میں آپ کا شکریہ بجا لاتا ہوں

بشیر :۔ میں نے آپ کو اندھا نہیں کہا۔

حامد :۔ یہ تو آپ کی عین نوازش ہے۔

رضیہ :۔ ایک بات کہوں۔

حامد:۔ سو بار۔

رضیہؔ: کیا آپ اپنے قیمتی وقت کے چند لمحات سے میری زندگی بھی منور کر سکتے ہیں۔ خالہ امّاں کہتی تھیں کہ آپ ہر وقت پریوں کی کہانیاں پڑھتے رہتے ہیں۔ کیا آپ وہ کہانیاں مجھے بھی سنائیں گے۔

حامد:۔ ضرور! گرمیوں میں اُس پھولوں والے چبوترے پر بیٹھ کر۔

رضیہ:۔ اور سردیوں میں آگ کی تپتی ہوئی انگیٹھی کے پاس۔

حامد:۔ میں تمہیں سال کے ہر ایک دن ایک نئی کہانی سنایا کروں گا۔

رضیہؔ:۔ کتنا اچھا ہوگا وہ وقت، پرانے زمانے کی طرح۔

حامد:۔ پرانا زمانہ؟

رضیہؔ:۔ ہاں جب میں ننھی منّی سی بچّی تھی تو بوڑھی دادی امّاں مجھے نہایت دلچسپ کہانیاں سنایا کرتی تھی۔ پریوں، دیووں اور نوابوں کے متعلق۔ آپ اُن کہانیوں کا خیال بھی نہیں کر سکتے۔ جو بوڑھی دادی امّاں مجھے سنایا کرتی تھیں۔ پرانی کہانیاں؟ جو پشتہا در پشت سے نوک زبان کے ذریعے ہم تک پہنچیں۔

رضیہؔ:۔ ہاں! وہی پرانی کہانیاں! میں نے کئی بار سوچا کہ اُن خوبصورت افسانوں کو لکھ ڈالوں۔ کیونکہ اب دادی امّاں فوت ہو چکی ہے تو ممکن ہے کہ میں ان کو بھول جاؤں۔

حامد:۔ سنو رضیہؔ۔ کیا تم کسی ایسے شخص کے لئے اُن پرانے قصّوں کو یاد کر سکو گی جو انھیں ضبطِ تحریر میں لانے کی تمنّا رکھتا ہو۔

رضیہ :۔ لیکن ایسا شخص کون ہے ؟

حامد :۔ میں!

رضیہ :۔ آپ کیوں میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ آپ جیسا عالم کیا بچوں کی کہانیاں لکھے گا ؟ ہوں!

حامد :۔ نہیں رضیہ میں سچ کہتا ہوں کہ میں ان قصوں ہی کی تلاش میں تھا۔ وہ کہانیاں جو ہمیں ورثہ در ورثہ ملتی رہی ہیں ۔ اب انھیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اور دیکھو رضیہ یہ کتاب ہم دونوں اکٹھے لکھیں گے۔

(رضیہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) کیا آپ مجھ پر یہ احسان کریں گی۔

اس اثنا میں بشیر درخت کے عقب سے نکل کر رضیہ اور حامد کے بالکل قریب آجاتا ہے۔ اور حامد کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہتا ہے (حامد رضیہ کا ہاتھ فوراً چھوڑ دیتا ہے)۔

بشیر :۔ دیکھو حامد اب میں بالکل سمجھ گیا۔ میرا خیال ہے کہ اب میں پوری طرح نبھا سکوں گا۔ (رضیہ سے) آداب عرض ہے بہن رضیہ!۔

حامد :۔ (غصہ سے) خدا کی قسم بشیر۔ یہ سب ناقابل برداشت ہے۔ آخر دنیا میں کچھ آداب بھی تو ہیں۔ ذرا کسی سے بات کرو کہ تم آدھمکتے ہو۔ کیا ہے اب ؟

(رضیہ سے) معاف کیجئے میں ابھی حاضر ہوا۔

(بشیر کو ایک طرف لیجاتے ہوئے)

بشیر :- (گھبرا کر اور کچھ کھسیانہ سا ہو کر) بھائی حامد تم تو ناحق خفا ہوئے ہے ہو........ میں تو........ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ میں سمجھ گیا ہوں۔ اور تم جا سکتے ہو اب میں خود نپٹ لوں گا۔

حامد :- کیا نپٹ لوگے۔ کس طرح سے نپٹ لوگے؟

بشیر :- (حیرانی سے) یہی نہ رضیہ سے محبّت بھری باتیں کرنے ہیں...... امید ہے کہ اب میں خود..........

حامد :- (خائف سا ہو کر) رضیہ سے باتیں...... اف ہو! میں نے کیا کہہ دیا۔ کس قدر خوفناک حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ اب کیا ہوگا۔ .... (بشیر سے) دیکھو بھائی جان ابھی میں کچھ نہیں بتا سکتا خدا کے لیئے تم ذرا چلے جاؤ۔ میں ابھی سب حالات سے تمہیں آگاہ کر دونگا۔

(دھکیلتے ہوئے اُسے درخت کے پیچھے لے جاتا ہے)

بشیر :- (نرم کلامی سے) مجھے معاف کرو بھائی میں سمجھا تھا کہ میرا سبق ختم ہو لیا۔ کیا ابھی کچھ باقی ہے۔

حامد :- ہاں! ہاں! ابھی بہت کچھ باقی ہے۔

(رضیہ کے پاس جاتے ہوئے دبی زبان میں)

افوہ۔ میری عقل پر بھی کیا پردہ پڑ گیا۔ میں یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ میں بشیر کی جگہ یہ کھیل کھیل رہا تھا۔

(رضیہ اُٹھ کھڑی ہوتی ہے)

حامد :- رضیہ ٹھہرو۔

رضیہ :۔ میرے خیال میں بشیر بھائی آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔
حامد :۔ کچھ نہیں۔ بھائی صاحب تو ہر وقت لغات ہی میں اُلجھے رہتے ہیں۔
رضیہ :۔ بیچارا بشیر! اور آپ کو کیا ہوا؟ آپ بھی تو پریشان نظر آ رہے ہیں۔
حامد :۔ نہیں تو۔
رضیہ :۔ آپ ان پرانے قصّوں کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے جو دادی امّاں مجھے سُنایا کرتی تھیں۔
حامد :۔ تو کیا آپ وعدہ کرتی ہیں کہ آپ مجھے وہ سب کہانیاں سنائیں گی۔
رضیہ :۔ لیکن میں تو چند یوم بعد اپنے گھر واپس چلی جاؤں گی۔
حامد :۔ اب میں تمہیں واپس نہ جانے دوں گا۔
رضیہ :۔ ہوں! ہوں!
حامد :۔ تم کتنی اچھی ہو رضیہ۔

(بشیر زور سے آہ بھرتا ہے)

حامد :۔ تمہارے برف کے سے سفید ہاتھ، نرم و گداز (رضیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے) تمہاری یہ مخروطی انگلیاں۔ تمہاری یہ نرگسی آنکھیں۔ تمہاری موسیقی سے بھری گفتگو میں ان کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا رضیہ۔
رضیہ :۔ مجھے یقین ہے کہ آج سے پہلے یہ باتیں آپکو معلوم نہ تھیں۔
حامد :۔ لیکن آج میری آنکھیں روشن ہو گئی ہیں اور زندگی مجھے مستقبل میں رقص کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ دستاروں کی طرح دور نیلے آسمان کی گہرائیوں میں۔

رضیہ :۔ (خاموش رہتی ہے)

حامد :۔ رضیہ۔

رضیہ :۔ خالہ اماں اور اماں

حامد :۔ وہ تو یہ چاہتی ہی ہیں۔

رضیہ :۔ لیکن ابھی تو ہم پریوں کی کہانیوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اور اب ....

حامد :۔ اور اب ہم پریوں کی طرح رومان کی فضا میں اُڑ رہے ہیں، پریوں کی کہانیوں کا صرف ایک ہی اختتام ہوتا ہے۔ محبت کی تکمیل۔ میں بھی محبت کی تکمیل چاہتا ہوں رضیہ۔

رضیہ :۔ چُپ رہتی ہے۔

حامد :۔ رضیہ!

رضیہ :۔ حامد!

حامد :۔ (رضیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دباتے ہوئے) میری رضیہ!

رضیہ :۔ پھر کہو۔

حامد :۔ میری رضیہ۔

رضیہ :۔ چھوڑ دو۔ خالہ اماں آرہی ہیں۔

(حامد رضیہ کا ہاتھ چھوڑ دیتا ہے)

سامنے سے حمیدہ بیگم آتی ہے اور حامد اور رضیہ کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھ کر حیران سی ہو جاتی ہے۔ پھر بشیر کو علیحدہ دیکھ کر اُس سے مخاطب

ہوتی ہیں۔

حمیدہ بیگم :- یہ کیا ہو رہا ہے حامد اور بشیر تو درخت کے پیچھے کیا کر رہا ہے۔

بشیر :- (درخت کے عقب سے سامنے آکر)

بشیر :- (پشیمانی اور سنجیدگی سے) کچھ نہیں اماں میں یوں ہی اپنی لغات دیکھ رہا تھا)

حامد :- (ماں کے پاس آکر) بھائی بشیر مجھے معاف کرنا۔ . . . . .

بشیر :- میں سب کچھ جان گیا حامد، تمہیں آگے کہنے کی ضرورت نہیں۔

(رضیہ شرما کر کمرے میں چلی جاتی ہے)

حمیدہ بیگم :- تو کہاں جا رہی ہے رضیہ . . . . .

رضیہ :- ابھی آئی اماں۔

حمیدہ بیگم :- ارے یہ کیا گورکھ دھندا ہے عجب لوگوں سے واسطہ پڑا ہے حامد، بشیر . . . . . کچھ کہو بھی میں بھی سنوں۔

حامد :- اماں رضیہ کے ساتھ میں شادی کروں گا اور رضیہ بھی اس امر میں میرے ساتھ متفق ہے۔

حمیدہ بیگم :- کیا کہا ؟ تو شادی کرے گا

حامد :- ہاں ماں میں۔ بھائی بشیر میں پھر معافی مانگتا ہوں۔

حمیدہ بیگم :- (سمجھتے ہوئے) (ہنستے ہوئے) یہ بھی خوب ہوا۔ میں تو سمجھے بیٹھی تھی کہ بشیر

بشیر :- ہاں ماں مجھے بھی شادی کے سوال میں کچھ دلچسپی سی ہو گئی ہے۔

حمیدہ بیگم :۔ یہ تم نے بہت بُرا کیا حامد۔ تم تو شادی کا نام سُنکر کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے۔

حامد :۔ تب میں نے رضیہ کو دیکھا نہ تھا ماں۔ اب اگر بھائی بشیر اور تم اجازت دو تو........

حمیدہ بیگم :۔ میری اجازت! حامد میں نہ کہتی تھی جب ایک نے ہاں کر دی تو یہ دیکھ کر دوسرا ابھی مان جائیگا تم ہو یا بشیر میرے لئے دونوں ایک ہو۔

بشیر :۔ تم نے میرے ساتھ دغا کیا حامد۔ میں نے سارا دن مفت میں وقت کا خون کیا اور اس تنگ کوٹ میں گھٹتا رہا لیکن اب میں یقینی طور پر شادی کے خیال کو پسند کرتا ہوں۔

حمیدہ بیگم :۔ دیکھا سچی ہوئی نہ میری بات! گھبراؤ نہیں بیٹا بشیر ہمارے اپنے ہی گھرانے میں بہت سی لڑکیاں موجود ہیں اور تمہارے چچا کی لڑکی تو رضیہ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے اور وہ کئی بار تمہیں مانگ بھی چکے ہیں۔

بشیر :۔ اب یہ بعد میں دیکھا جائیگا ماں! فی الحال تو حامد کو مبارکباد دو اور سنو حامد تم اب بہت مصروف رہوگے۔ اس لئے مجھے اجازت دو کہ اس امر کی تحقیق کروں کہ پریوں کی دیو مالا میں چھوٹا بھائی کیوں ہمیشہ شہزادی سے شادی کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

(دونوں بھائی قہقہہ لگاتے ہیں)

(دہلی ۱۹۴۳)

عدالت

کردار

مجسٹریٹ۔ سرشتہ دار۔ ٹائپسٹ۔ سپاہی۔ سرکاری وکیل۔
چند وکیل۔ ملزم۔ گواہ۔ چپڑاسی۔

مقام۔ عدالت کا کمرہ ——————— وقت ساڑھے دس بجے صبح

پس منظر

دروازہ داخل ہوتے ہی دائیں کونے میں ایک میز دکھائی دیتی ہے جس پر پرانے خاکی کاغذوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک نکروہ شکل کا خاکی وردی میں ملبوس سپاہی گردن جھکائے چند ایک کاغذوں کی پڑتال کر رہا ہے۔ میز کے عین سامنے ایک بنچ پر دو باوردی سپاہی بیٹھے

ہیں۔ اُن کے چہرے ہر قسم کے جذبات سے عاری ہیں۔ سخت اور بے حس۔ ایک کی پیٹی کے ساتھ ہتھکڑی کا ایک سرا لٹکا ہوا ہے۔ اور دوسرا مقفل سرا زمین پر پڑے ہوئے ایک آدمی کے ہاتھوں میں لگا ہوا ہے۔ اُس کا چہرہ جھکا ہوا ہے۔ ہاتھوں پر جھُریاں دکھائی دیتی ہیں۔ سر کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود۔ آدھے سفید اور آدھے کالے ——— لیکن گرد کی وجہ سے سب سفید معلوم ہوتے ہیں۔

بنچ کے بالکل ساتھ بائیں طرف ایک اینٹوں کا چبوترہ ہے۔ جس پہ ذرا پیچھے ہٹکر ایک قد آدم لکڑی کا کٹہرا لگا ہے۔ جو اُوپر کی طرف سے کچھ بڑھا ہُوا ہے۔ کٹہرے کی بائیں جانب کے کونے میں کچھ فائیلیں پڑی ہیں۔ جنکو کٹہرے کے باہر کی طرف کھڑا ہُوا سرکاری وکیل اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا ہے۔

کٹہرے کے اندر اور بالکل قریب ہی میں ایک کاغذوں سے لدی ہوئی بوسیدہ اور پُرانی میز رکھی ہے۔ جسکی بائیں طرف ایک چھوٹی میز پر ٹائپ کی مشین دھری ہے اور ساتھ ہی کُرسی پر ٹائپسٹ بیٹھا ہے میز کے سامنے حاکم عدالت کی خالی کُرسی ہے۔ اور دائیں طرف ایک چھوٹا سا تخت جس پر ایک بوسیدہ دری پر عدالت کا سررشتہ دار بیٹھا ہے۔ خوب موٹا سا سفید چہرہ۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ اُن پہ ایک ٹوٹی ہوئی کمانی والا چشمہ بائیں ہاتھ سے اپنا چھوٹا سا گول گول ناک صاف کرتا ہے اور دائیں ہاتھ سے خاکی کاغذوں پر کچھ لکھ رہا ہے۔ لکھتے لکھتے کٹہرے کے ساتھ کھڑے

ایک دو وکیلوں کے ساتھ آہستہ آہستہ باتیں بھی کر رہا ہے۔

وکیل :- ابھی کتنی دیر میں تشریف لائیں گے "صاحب"!

سررشتہ دار :- بس اب آنے ہی والے ہیں۔ کونسا مقدمہ ہے آپکا؟

وکیل :- وہی بسے کا چالان، ذرا پہلے رکھدینا دوست مجھے ایک اور عدالت میں بھی پیش ہونا ہے۔

سررشتہ دار :- آپ کی باری آنے پر پیش ہونگا صاحب۔ پہلے تو دو شہادتی چالان پیش کرونگا۔

وکیل :- ارے بھئی پہلے رکھدو تو مہربانی ہوگی۔ (مسکراکر) اور آج ضمانت بھی ہونی چاہیئے۔

سررشتہ دار :- اچھا جو خدا کو منظور۔

اتنے میں حاکم عدالت چبوترے کی دائیں طرف کے بائیں کمرے باہر نکلتا ہے۔ سب کھڑے ہو جاتے ہیں دروازے پر کھڑے چند وکیلوں کے منشی دروازے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

آداب عرض جناب! سلام حضور!

حاکم عدالت ادھر ادھر دیکھکر خالی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر دونوں ہاتھ اوپر اُٹھاکر ایک انگڑائی لیتا ہے۔ پھر ہاتھ نیچے لاکر دایاں ہاتھ کھلے ہوئے منہ کے آگے رکھ لیتا ہے۔

وکیل کٹہرے سے علیحدہ ہوکر چبوترے کے نیچے اُترکر کمرے کے کونے

میں پڑی ہوئی میز کے ساتھ سہارا لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حاکم عدالت:۔ اچھا کریم بخش لاؤ تو آج کا کام۔ (کمرے کے کونے والی میز کے ساتھ بیٹھا ہوا مکروہ شکل کا سپاہی کچھ کاغذوں کو ہاتھ میں لیئے اٹھتا ہے۔ اور حاکم عدالت کے سامنے پیش کرتا ہے۔ حاکم عدالت جمائی پہ جمائی لیتے ہوئے۔ بائیاں ہاتھ منہ پہ رکھتے ہوئے دائیں ہاتھ سے مشین کی طرح دستخط کرتا ہے۔

سپاہی:۔ حضور یہ حافظ کے بلا ضمانت وارنٹ ہیں۔ یہ اللہ داد کے سمن۔ یہ لالہ کروڑی مل کے نام نوٹس جاری کیا گیا ہے۔ بڑا شریف آدمی ہے بیچارہ صرف نوٹس ہی کافی ہوگا۔ اور یہ اس بابو کی ضمانت کے کاغذ ہیں جسکی موٹر کے نیچے گامے کا لڑکا آ کر مر گیا تھا۔

. . . .

حاکم عدالت آخری کاغذ پر دستخط کرتے ہوئے پھر جمائی لیتا ہے قلم کو میز پر رکھ دیتا ہے۔ اور پھر کمر سیدھی کرکے بیٹھ جاتا ہے جیسے بہت تھک گیا ہو۔ اس کے بعد سررشتہ دار آ جکے مقدموں کی فہرست پیش کرتا ہے۔

حاکم عدالت:۔ شامو کے چالان میں کتنے گواہ ہیں۔

سررشتہ دار:۔ بارہ حضور۔

حاکم عدالت:۔ کیا سب حاضر ہیں۔

سررشتہ دار:۔ جی سرکار۔

حاکم عدالت:۔ اچھا اسے کل پر رکھدو۔

سر رشتہ دار:۔ حضور یہ پانچ مرتبہ پہلے بھی ملتوی ہو چکا ہے۔

حاکم عدالت:۔ بجومت۔ آج ہمیں بہت کام ہے۔ آج نہیں ہو سکتا۔ یہ مقدمہ مرتو نہیں چلا وہ حرامخورہ اُسے ابھی جیل خانے کی ہوا کھانے دو اچھا چلو آگے۔ اور اس حاکو والے مقدمے میں کتنے گواہ ہیں۔

سر رشتہ دار:۔ تین حضور!

حاکم عدالت:۔ بُلاؤ اسے۔

سر رشتہ دار چپڑاسی کو آواز دیتا ہے۔ "بلاؤ سرکار بنام حاکو"

چپڑاسی دروازے کے پاس جاکر آواز دیتا ہے۔ "حاضر سرکار بنام حاکو"

بنچ پر بیٹھا ہوا سپاہی ہتھکڑی کو ہلا کر اس فرش پر پڑے ہوئے آدمی کو بلاتا ہے۔ وہ اُٹھکر سپاہی کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ کٹہرے کی دائیں طرف ایک چھوٹے کٹہرے میں جو تین طرف سے بند ہے۔ ملزم اور سپاہی دونوں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حاکم عدالت:۔ (سرکاری وکیل سے مخاطب ہوتے ہوئے) اس کا چالان مکمل ہے کیا۔ کیا جرم ہے اسکے خلاف۔

سرکاری وکیل:۔ تین سو نواسی جناب۔ اس نے لطیف کے مکان سے کپڑوں کی چوری کی تھی۔

حاکم عدالت:۔ اچھا بُلاؤ گواہ۔

سرکاری وکیل:۔ (چپڑاسی سے) بُلاؤ محمد لطیف۔

چپڑاسی دروازے پر جا کر آواز دیتا ہے۔

آواز

ایک پست قد آدمی جلد جلد ڈگ بھرتا ہوا۔ سرکاری وکیل کے پاس آ کھڑا ہوتا ہے، اُسکے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں کبھی حاکم عدالت کی طرف دیکھتا ہے کبھی سرکاری وکیل کی طرف اور کبھی چور آنکھ سے ملزم کی طرف۔

حاکم عدالت :۔ (نو وارد سے) نام

سرکاری وکیل :۔ (اونچی آواز سے) نام بتاؤ۔

سر رشتہ دار اپنی قلم کی نوک تخت پر بچھی ہوئی میلی دری پر گھستا ہے۔ اور لکھنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ادھر ٹائپسٹ بھی اپنی موٹی موٹی۔ بھدی بھدی انگلیاں مشین کے چمکتے ہوئے لفظوں پر رکھ دیتا ہے۔

(سر رشتہ دار اردو میں لکھتا ہے۔ ٹائپسٹ انگریزی میں ٹائپ کرتا ہے)

گواہ :۔ محمد لطیف۔

سرکاری وکیل :۔ عمر۔

گواہ :۔ جناب اچھی طرح سے پتہ نہیں ہو گی کوئی ۴۰ برس

پیشہ ؟

"گورنمنٹ پریس میں فٹر" (Fitter)

سکونت ؟

"ہاتھی دروازہ"

کہو جو کچھ کہونگا۔ ایمان سے سچ کہونگا۔

جو کچھ کہونگا ایمان سے سچ کہونگا۔

سرکاری وکیل :۔ کیا ہوا تھا۔ (ملزم کی طرف اشارہ کرکے) اِس کو جانتے ہو؟

گواہ :۔ ہاں سرکار اِسے جانتا ہوں۔ یہ میرے گھر کے پاس ہی سڑک۔ پر سویا کرتا ہے۔ اور صبح کو سینما کے اشتہار لگاتا ہے۔

سرکاری وکیل :۔ ٹھیک! تو پھر کیا کیا تھا اِس نے تیرے گھر چوری کی تھی؟

گواہ :۔ جی ہاں حضور۔

حاکم عدالت :۔ ارے تیرے باپ کے نوکر ہیں کیا۔ کیا بکتا ہے۔ تُو کیسے چوری کی تھی ؟۔ نقب لگائی تھی ؟۔ تالا توڑا تھا ؟۔ کیا کیا تھا ؟ جی ہاں حضور ؟ جی ہاں حضور کا بچہ

سررشتہ دار۔ ٹائپسٹ۔ سب گواہ کے منہ کی طرف گھورتے ہیں۔ اور گواہ سرکاری وکیل کی طرف اُس سہمے ہوئے بکرے کی طرح دیکھتا ہے جسکے سر پہ ایک قصاب چھری لئے کھڑا ہے لیکن وہاں سے کچھ جواب نہ پاکر مری ہوئی آواز میں جواب دیتا ہے۔

گواہ :۔ تا..... تا..... تالہ توڑا تھا حضور۔

حاکم عدالت :۔ تیرے سامنے توڑا تھا کیا۔

گواہ :۔ سہم کر، نہیں جناب۔
حاکم عدالت :۔ پھر کیسے پتہ چلا کہ تالا توڑا تھا۔ جواب آیا تھا کیا (سرکاری وکیل سے) کیا یہی آپکے گواہ ہیں۔ جی!
(نہائت سراسیمگی اپنے دونوں ہاتھوں کو ملتا ہے۔)
سرکاری وکیل۔ گردن جھکا لیتا ہے۔ گواہ گھبرا کر کانپنے لگتا ہے اور سرکاری وکیل کی طرف دیکھکر آنکھوں ہی آنکھوں میں مدد کی درخواست کرتا ہے آخر سرکاری وکیل گردن اونچی کر کے گواہ سے مخاطب ہوتا ہے۔
سرکاری وکیل :۔ (گواہ سے) ارے بکتا کیوں نہیں۔ آدمی ہے یا جانور۔ اتنی صاف سے بات ہے۔ جب تو شام کو چھاپہ خانہ سے گھر واپس آیا تو تالا ٹوٹا پڑا تھا۔ بول کیسے پتہ چلا تجھے کہ تالا ٹوٹا تھا۔
گواہ :۔ ایسے ہی حضور۔
سرکاری وکیل :۔ ایسے ہی حضور کا بچہ۔ (سر رشتہ دار سے) لکھو جی جب میں چھاپہ خانہ سے واپس آیا تو تالا ٹوٹا ہوا تھا۔ مکان کے اندر پہنچا تو سب چیزیں اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں۔ اور ایک کپڑوں کا ٹرنک غائب تھا۔

حاکم عدالت میز پر پڑے پیپر ویٹ سے کھیلتے ہوئے ترجمہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آخر سرکاری وکیل کی مدد سے کامیاب ہوتا ہے۔ ٹائپسٹ ٹائپ کرتا ہے۔
سرکاری وکیل :۔ (گواہ سے) پھر کیا کیا تم نے۔ تھانے میں رپورٹ دی۔

گواہ:- جی ہاں۔
حاکم عدالت:- (ملزم سے) کوئی سوال پوچھو گے؟ نہیں۔ نو کراس ایگزامینیشن (No. cross. examination) (گواہ سے) تم جاؤ۔ (سرشتہ دار سے) دستخط کرا لو جی۔ چلو اگلا گواہ بلاؤ۔

چپڑاسی اگلا گواہ بلاتا ہے۔

امیر چند تھانیدار۔

ایک موٹا تازہ باوردی تھانیدار۔ اکڑی ہوئی گردن۔ تنا ہوا سرخ چہرہ۔ اندر دھنسی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں۔ پالش کئے ہوئے چرچر کرتے بوٹ۔ دونو پاؤں زور سے ملا کر بوٹوں سے آواز پیدا کرتے ہوئے حاکم عدالت کو سلیوٹ (salute) کرتا ہے۔ پھر سرشتہ دار اور ٹائپسٹ سے نہایت کرخت آواز سے مخاطب ہوتا ہے۔

لکھو جی۔ دونو لکھتے ہیں۔
امیر چند۔
اروڑہ۔
۴۳ سال
تھانہ ہاتھی دروازہ۔
نمبر ۷۹۴۔
(ہاتھ اٹھا کر)
جو کچھ کہونگا اپنے دھرم سے سچ کہونگا۔

پھر سرکاری وکیل کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جاتا ہے۔

سرکاری وکیل :۔ کیا آپ ملزم کو جانتے ہیں۔

تھانیدار :۔ جی ہاں! میں اِسے جانتا ہوں۔ مورخہ ۱۹ ستمبر بروز سوموار مسمی محمد لطیف نے تھانے میں رپورٹ دی کہ جب وہ شام کو گھر واپس آیا تو اُس کا تالہ ٹوٹا ہوا تھا اور کمرے میں سے اُس کا۔ ایک عدد ٹرنک معہ پارچات پوشیدنی غائب تھا۔ میں نے موقع پر جا کر سب چیزوں کا ملاحظہ کیا۔ ملزم نے اُس روز نئی لٹھے کی شلوار پہنی ہوئی تھی۔ مجھے یہ دیکھکر شبہ ہوا محمد لطیف نے شلوار کو پہچانا کہ یہ اُسی کی تھی۔ میں نے ملزم کو گرفتار کر لیا اور اُس نے تمام پارچات بمعہ ٹرنک برآمد کیے۔

(عدالت میں پڑا ایک ٹرنک اور چند پارچات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

یہ سب چیزیں وہی ہیں جو میں نے ملزم سے برآمد کیں۔ میں انہیں شناخت کرتا ہوں اور یہ وہ ایک تالہ پیش کرنے کو نکالتا ہے۔ تو سرکاری وکیل) اُسے پیر سے ٹھوکر مارتا ہے۔)

ہاں۔ اور بس جناب۔ تب سے ملزم حراست میں ہے۔

دونوں پاؤں جوڑ کر آواز پیدا کرتے ہوئے سلام کرتا ہے۔ اور مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر چلا جاتا ہے۔

اتنے میں ایک خوش پوش درمیانہ عمر کا بڑھے ہوئے پیٹ والا شہری کمرہ عدالت میں داخل ہوتا ہے اور کھٹا پٹ

چبوترہ پر چڑھ جاتا ہے۔ حاکم عدالت اُس کو اُٹھ کر بڑے تپاک سے ملتا ہے۔ اور اُسے اپنے پاس کرسی پر بٹھا لیتا ہے۔ دونوں باتیں کرتے ہیں۔

کٹہرے میں ملزم کے ساتھ کھڑا سپاہی سررشتہ دار سے آنکھ کے اشارے سے پوچھتا ہے "کون ہیں یہ صاحب"

سررشتہ دار:۔ (نہایت آہستہ سے) "لالہ رام نرائن رئیس اب آنریری مجسٹریٹ ہونے ہی والے ہیں"۔

سرکاری وکیل پاس پڑی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ ملزم اپنے دونوں ہتھکڑی میں مقفل ہاتھوں کو کٹہرے پر رکھ دیتا ہے۔ اور سپاہی ایک ٹانگ اُٹھا کر کٹہرے کے درمیانہ حصہ پر رکھ دیتا ہے

گھڑی بارہ بجاتی ہے۔

تین چار وکیل کالے کالے ماڈرن کٹ کے سلے ہوئے کوٹ پہنے بائیں طرف بغل میں ہیٹ دبائے اور دائیں ہاتھ میں کچھ کاغذ تھامے کٹہرے کے پاس آ کھڑے ہوتے ہیں۔ حاکم عدالت کرسی کی طرف دیکھ کر منہ میں "آداب عرض جناب" گنگناتے ہیں۔ اور پھر واپس چلے جاتے ہیں۔ لیکن ایک وکیل وہیں کھڑا رہتا ہے۔ جب وہ اکیلا رہ جاتا ہے تو سررشتہ دار کے پاس جا کر آہستہ سے اُسے کہتا ہے۔

وکیل:۔ اس کے بعد میرا کیس رکھ دینا دوستا۔ آج ضرور ضمانت ہوتی ہے۔ پھر وقت بھی تو نہیں رہے گا۔

سرشتہ دار:۔ (اونچی آواز سے) جناب میں کام کر رہا ہوں آپ کو ایک بار جو کہہ دیا کہ سب کام "نمبر" پر ہو گا۔

وکیل:۔ دیکھو یار، غریب آدمی ہے۔

سرشتہ دار:۔ غریب ہے تو جرم کیوں کیا تھا اسنے۔

وکیل:۔ اچھا خدارا یہ کام تو کر دو۔ اور آنکھیں جھپکتے ہوئے) اسکے لئے تم بالکل فکر نہ کرو۔

سرشتہ دار (آہستہ سے) تو پھر دیر کس بات کی ہے جلدی کیجئے نہ۔ "بونی کرائیے"

وکیل پتلون کی جیب میں ہاتھ لے جاکر پھر باہر نکالتا ہے۔ سرشتہ دار اپنے بدن کو اوٹ دیکر بائیاں ہاتھ کٹہرے کے سوراخ سے باہر نکالتا ہے۔ وکیل اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ سرشتہ دار جلدی سے اپنا ہاتھ اندر لے جاتا ہے۔ اور پھر اسے کوٹ کی جیب میں ڈالتا ہوا ایک لمبا سانس لیتا ہے۔

(پھر وکیل سے)

سرشتہ دار:۔ اچھا جناب اس کے بعد آپ آ جائیے۔

(حاکم عدالت اور رام نرائن رئیس ابھی باتوں میں مشغول ہیں)

حاکم عدالت (رام نرائن رئیس سے) آپ نے ناحق تکلیف کی۔ یہ تو آپ مجھے ٹیلیفون ہی پر کہہ سکتے تھے۔

رام نرائن :۔ نہیں سرکار ہیں نے کہا چلو ایک تو درشن ہو جائیں گے اور دوسرے بات اچھی طرح سے ہو جائیگی۔

حاکم عدالت :۔ آپ اِس بات کا بالکل فکر نہ کریں۔ اُن سالے بھنگیوں کی کیا مجال ہے۔ کہ اپنی جھگیاں آپ کی زمین کے ساتھ بنائیں۔ کمینے حرامزادے جسکا نمک کھاتے ہیں۔ اسی کے سر پر چڑھتے ہیں میں کل ہی اِس کا انتظام کرونگا۔

رام نرائن :۔ مہربانی جناب کی۔ آپ ہی لوگوں کے دم پر تو ہم زندہ ہیں۔ ورنہ یہ کمینے لوگ ہیں۔ کہیں کا نہ چھوڑیں۔

حاکم عدالت :۔ ہم کیا ہیں جی - ہاں ! اور ڈپٹی کمشنر صاحب آپ پر بہت خوش ہیں۔

رام نرائن :۔ سب ایشور اور آپ لوگوں کی مہربانی ہے۔

(اُٹھتا ہے۔ کھڑا ہو کر)

اچھا صاحب اب اجازت دیجئے۔ ذرا اُن باکرہٹہ کے لونڈوں سے بات کرلیں۔ الیکشن کے وقت کام آئیں گے۔

حاکم عدالت کھڑا ہو کر۔ ہاتھ ملاتا ہے۔

آداب عرض !

آداب عرض !

رام نرائن اُٹھکر کمرے سے باہر چلا جاتا ہے۔ اور حاکم عدالت ایک انگڑائی لیکر نیند بھری آواز میں سرکاری وکیل سے پوچھتا ہے۔

ابھی کتنے گواہ ہیں باقی اِس میں"

سرکاری وکیل :۔ صرف ایک جناب

حاکم عدالت :۔ بُلاؤ اُسے بھی۔

چپڑاسی تیسرا گواہ بُلاتا ہے۔

—— حکم سنگھ گواہ ——

ایک لمبا دوہرے جسم کا آدمی عدالت میں داخل ہوتا ہے۔ اور سرکاری وکیل کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔

'نام'

"حکم سنگھ"

'قوم'

'سکھ'

'عمر'

"تیس سال"

'سکنہ'

"ہاتھی دروازہ"

"جو کچھ کہونگا واہگورو جی سے سچ کہونگا"

سرکاری وکیل :۔ تمہیں اس مقدمہ کے بارے میں کیا معلوم ہے؟

گواہ :۔ جناب میں محمد لطیف کے ساتھ ہی گورنمنٹ پریس میں کام کرتا ہوں۔ محمد لطیف کو اچھی طرح سے پہچانتا ہوں اُسے روز دیکھتا

ہوں اور شام کو ہم اکٹھے سیر کو جاتے ہیں۔
سرکاری وکیل :۔ ہمیں اس قدر تفصیل کی ضرورت نہیں۔
(کپڑوں کی طرف دیکھ کر) یہ کپڑے پہچانتے ہو محمد لطیف کے ہیں۔
گواہ :۔ ہاں جناب اُسی کے ہیں نے بیسیوں مرتبہ اُسے یہ کپڑے پہنتے دیکھا ہے۔ میں خوب اچھی طرح سے پہچانتا ہوں (کپڑوں کو ہاتھ میں لیکر) یہ ہیں ہی اُسکے اور کسی کے کیسے ہو سکتے ہیں۔
دستخط کر کے عدالت کے ایک کونے میں علیحدہ کھڑا ہو جاتا ہے۔
حاکم عدالت :۔ (ملزم سے) تمہارا نام کیا ہے؟
ملزم :۔ (چونک کر) حاکو۔ مائی باپ۔
حاکم عدالت :۔ قوم۔
ملزم :۔ مسلمان۔
حاکم عدالت :۔ پیشہ۔
ملزم :۔ مزدوری حضور سینما کے اشتہار دیواروں پر چسپاں کرتا ہوں۔
حاکم عدالت :۔ عمر۔
ملزم :۔ جناب معلوم نہیں چھٹ پن میں ہی ماں باپ مر گئے تھے تب سے مزدوری کر کے پیٹ پالتا ہوں۔ نہ جانے کتنے سال بیت گئے۔
حاکم عدالت :۔ (سرکاری وکیل سے) کوئی ہو گی بیس پچیس برس۔
سرکاری وکیل :۔ ہاں ایسی ہی ہو گی۔ جناب ۲۵ برس لکھ لیجئے۔

حاکم عدالت :- (ملزم سے ایک ہی سانس میں)
کیا تم سوموار مورخہ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۸ء بوقت پانچ بجے شام محمد لطیف کے مکان موا قع ہاتھی گیٹ لاہور میں تالا توڑ کر باقدام چوری داخل ہوئے اور ایک عدد ٹرنک آہنی جسمیں ایک شلوار لٹھا۔ دو قمیص بوسکی اور ایک رومال و دیگر پارچات پوشیدنی موجودہ چوری کر کے لائے۔

ملزم :- (نہایت حیرانی سے) چوری! میں نہیں سمجھا مائی باپ۔

حاکم عدالت (نہایت غصہ سے) چوری کر گئے تو خاک سمجھے گا۔ حرامزادے۔

ملزم :- میں نے چوری نہیں کی حضور! میں بے گناہ ہوں۔
(سراسیمگی سے اِدھر اُدھر تکتا ہے) میں نے چوری نہیں ——

سرکاری وکیل :- چپ رہ گستاخ۔ ابھی بتاتے ہیں تجھے۔ تو نے چوری کی ہے یا نہیں۔ تین سال کے لئے چکی پیسیگا تو پتہ چلے گا۔

ملزم :- میں بے گناہ ہوں۔ سرکار۔ میں۔ ....

سرکاری وکیل :- بکو مت۔ حرامزادہ۔ بول کیا یہ ٹرنک تو نے چرایا تھا۔ جلدی بول عدالت کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ چرایا تھا۔ نہ

ملزم (بالکل سہم جاتا ہے) میں ...... ٹرنک ...... یہ چوری ...... میں ...... غریب ...... میں ...... رحم کریں رحم! سرکار ......

رحم کریں...... میں...... بیگناہ......

سرکاری وکیل:۔ (سرشتہ دار سے) لکھئے صاحب میں نے چوری کی تھی۔ ملزم اقبالی ہے۔

(ملزم سے) اور یہ ٹرنک بھی تیرے ہی گھر سے نکلا تھا۔

(پھر حاکم عدالت سے) ہاں جناب یہ بھی "آ جائے" ملزم صاف اقبالی ہے۔

سرشتہ دار:۔ دائیں طرف ملزم کی طرف ذرا مڑ کر کاغذوں کو ہاتھ میں اٹھائے ہوئے (ملزم سے) انگوٹھا لگاؤ اِس جگہ

ملزم کے ساتھ کھڑا ہوا سپاہی ملزم کے ہتھکڑی میں مقفل ہاتھوں کو اوپر اٹھاتا ہے۔ اور ملزم کے بائیں ہاتھ کا انگوٹھا پکڑتے ہوئے سیاہی کے پیڈ سے رگڑ کر سرشتہ دار کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذ پر لگا دیتا۔ ملزم کے چہرے کے اعصا کھچ جاتے ہیں اور وہ درد سے تلملا اٹھتا ہے۔

حاکم عدالت:۔ (ٹائپسٹ سے) ملزم اقبالی ہے کہ اُس نے چوری کی ہے اِن حالات میں میں اُسے چھ ماہ قید سخت کی سزا دیتا ہوں۔

(پھر سپاہیوں سے)

لے جاؤ اسے۔

ٹائپسٹ اپنی موٹی بھدی انگلیوں سے ٹائپ کرتا ہے۔

(لاہور ۱۹۳۹ء)

ازلی اور ابدی

کردار

ایک عورت — ایک مرد
ایڈیپس۔ عورت اور مرد کا بیٹا — چند عورتیں
چند مرد — چند بچے
رانجو۔ عورت اور مرد کا نوکر۔

سین اوّل

وقت :۔ آج سے تقریباً دس ہزار برس پہلے جب سماج (Savagery;
کے آخری درجہ ارتقا پر تھی۔

مقام :۔ دنیا کے کسی بھی حصّے میں، ایک گھنے جنگل میں درختوں سے
ڈھکا ہوا ایک غار۔

پس منظر :۔ غار کا منہ مشرق کی طرف کھلتا ہے۔ غار کے اندرونی حصّے

میں چاروں طرف بڑی بڑی چٹانیں پڑی دکھائی دیتی ہیں۔ درمیان میں ایک چوکور زمین کا ٹکڑا بالکل صاف ہے جس کے ایک کونے میں ہڈیوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر پڑا ہے۔ غار کے ایک کونے میں چند برہنہ بچے کھیل رہے ہیں۔ اُن کے نزدیک ہی چند نیم عریاں عورتیں اور کچھ بڈھے مرد دبی زبان میں باتیں کر رہے ہیں۔ دائیں جانب کونے میں ایک بڑی سی چٹان پر ایک خوبصورت نیم عریاں عورت ایک ادھیڑ عمر کے مرد کے ساتھ بیٹھی ہے۔ دونوں باتیں کر رہے ہیں۔

عورت :۔ آج تم شکار کو نہیں گئے۔

مرد :۔ ہاں، نہیں گیا۔

عورت :۔ یوں کیوں نہیں کہتے کہ وہ تمہیں لے ہی نہیں گئے۔

مرد :۔ نہیں تو۔ میں خود ہی نہیں گیا۔

عورت :۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے! کہ سردار خود ہی شکار کے لئے نہ جائے۔ آج تک تو صرف وہی مرد شکار سے مستثنیٰ سمجھا جاتا رہا ہے۔ جو شکار کے قابل نہ رہے۔ جو بڈھا ہو جائے۔

مرد :۔ لیکن میں سردار ہوں۔ جب چاہوں جاؤں۔ جب چاہوں نہ جاؤں۔

عورت :۔ مگر ہماری تاریخ میں آج تک کوئی سردار کبھی شکار سے نہیں چوکا۔

مرد :۔ (گرجتی ہوئی آواز سے) چُپ رہو!

عورت چند لمحے تو چپ رہتی ہے۔ پھر بائیں طرف بیٹھی ہوئی عورتوں کی طرف رُخ کرتی ہے۔

مرد :۔ (تحکمانہ انداز سے) ادھر آؤ۔

عورت :۔ کس لئے ؟

مرد :۔ میرے پاس بیٹھو۔

عورت :۔ کیا خاموش بیٹھوں۔

مرد :۔ (وحشیانہ ہنسی ہنستے ہوئے) اچھا جو تمہارا دل چاہے کرو۔ عورت مرد کے پاس جا بیٹھتی ہے اور اس کی طرف گھورنے لگتی ہے۔

مرد :۔ میری طرف اس طرح کیوں گھورتی ہو ؟

عورت :۔ سوچتی ہوں اب تم سردار نہیں۔

مرد :۔ وہ کس طرح ؟

عورت :۔ ہمیشہ ایسے ہی تو ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی مرد شکار میں شامل نہ ہو اور غار میں بیٹھا رہے۔ تو وہ سردار نہیں رہ سکتا۔

مرد :۔ (لرزتی ہوئی آواز میں) لیکن میں تو اب بھی سردار ہوں۔

عورت :۔ یہ ناممکن ہے۔

مرد :۔ تو پھر کون ہے سردار۔

عورت :۔ ایڈیپس۔

مرد :۔ ایڈیپس !

عورت :۔ ہاں ایڈیپس۔ میرا بیٹا ایڈیپس۔

مرد :- ایڈیپس سردار!

عورت :- ہاں! ہاں! ایڈیپس سردار۔

مرد :- ایڈیپس کبھی سردار نہیں ہوسکتا

عورت :- ایڈیپس سردار ہے اور سردار رہے گا۔

دونوں خاموش ہو جاتے ہیں۔

مرد :- خاموش کیوں ہو۔

عورت :- بھوک لگی ہے۔

مرد :- آج میں شکار کو نہیں گیا تو ابھی تک شکار بھی نہیں آیا۔

عورت :- اب تم شکار کو کبھی بھی نہ جاسکو گے۔ اور شکار بھی ضرور آئیگا۔

مرد :- تمہیں بھوک لگی ہے۔

عورت :- اور تمہیں بھی۔

مرد :- لیکن شکار.........

دور سے گانے کی آواز آتی ہے۔

عورت :- شاید وہ لوگ آرہے ہیں۔

مرد :- (مرد خاموش رہتا ہے)

عورت :- دیکھیں آج کیا شکار لاتے ہیں۔

مرد :- کوئی گیدڑ ہوگا۔

عورت :- تم نہیں گئے۔ کیا اس لئے؟......

مرد :- ہاں! تبھی تو.......

عورت :- اور اگر پھنسا ہوا۔ تو

مرد :- تو یہ کونسی نئی بات ہو گی۔

عورت :- طنز یہ ہنستی ہے) یہ ایک نئی بات ہے۔

مرد :- کیا؟

عورت :- میں آج تمہاری چٹان پر نہ سوؤں گی۔

مرد :- کیوں؟

عورت :- آج میں ایڈیپس کی چٹان پر سوؤں گی۔

مرد :- (غصّے سے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے) تم بوڑھی ہو۔ ایڈیپس کو کسی جوان عورت کی ضرورت ہے۔

عورت :- لیکن میں سب جوان عورتوں سے خوبصورت ہوں۔ اور ایڈیپس مجھے پسند کرتا ہے۔

مرد :- (گھبرا کر عورت کا بازو پکڑتے ہوئے) یہ کبھی نہ ہو گا۔

عورت :- (بازو چھڑا کر) اب ایڈیپس سردار ہے اور میں سردار کی چٹان پر سوؤں گی۔

مرد عورت کی طرف جھپٹتا ہے۔ لیکن عورت جلدی سے کود کر بھاگ جاتی ہے۔ مرد اس کا پیچھا کرتا ہے۔ لیکن وہ بھاگ کر غار سے باہر چلی جاتی ہے۔

اس بھاگ دوڑ کو بائیں جانب کونے میں بیٹھے ہوئے مرد عورتیں اور بچے سب دیکھتے ہیں۔

گانے کی آواز قریب آ رہی ہے۔

گانا:۔ جائیں گے، سب جائیں گے
مل کر غار کو جائیں گے

مرد:۔ (واپس آکر چٹان پر بیٹھ جاتا ہے۔ گانے کی آواز اور بھی نزدیک آ جاتی ہے۔ مرد کھل کھلا کر ہنستے ہوئے خود بخود ہی کہنے لگتا ہے) ایڈیپس سردار ہو گا۔ ہا! ہا! ہا! آج اس بات کا فیصلہ ہو گا کہ ایڈیپس سردار ہے یا (چھاتی ٹھونکتے ہوئے) میں۔ وہ سردار کبھی نہیں ہو سکتے۔ سردار میں ہوں اور یہ عورت آج میری چٹان پر ہی سوئے گی۔

اتنے میں بہت سے نیم برہنہ نوجوان غار میں داخل ہوتے ہیں ان سب کے آگے ایک دوہرے قسم کا قوی ہیکل نوجوان ایک ہاتھ میں کلہاڑی لئے اور دوسرا عورت کے شانے پر رکھے گاتا ہوا داخل ہوتا ہے۔

گانا:۔ غار کے باہر آگ جلاؤ
ناچیں گے ہم۔ گائیں گے

باقی نوجوان اس کے پیچھے بانسوں کی مدد سے ایک مرا ہوا بھینسا اٹھائے کورس گاتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔

گانا:۔ صاف چٹانوں پر ہم مل کر
بھینسے بھون کے کھائیں گے

بھینسے کو دیکھ کر کونے میں بیٹھے ہوئے بوڑھوں بچوں اور عورتوں میں

ہلڑ مچ جاتا ہے۔ اور سب اٹھکر بھینسے کی طرف بھاگتے ہیں۔

دائیں کونے میں چٹان پر بیٹھا ہوا مرد اس عورت کو ایڈیپس کی بغل میں بیٹھے دیکھ کر اٹھتا ہے۔ اور گرجتا ہوا ایڈیپس کے سامنے جا کھڑا ہوتا ہے۔

عورتیں بچے بوڑھے سہم کر سب وہیں رُک جاتے ہیں۔

مرد :۔ (عورت کو بازو سے پکڑتے ہوئے) ایڈیپس۔ اس عورت کو چھوڑ دو۔

ایڈیپس :۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

مرد :۔ میں سردار ہوتے ہوئے تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ اسے چھوڑ دو

ایڈیپس :۔ سردار .... ہا ہا! ہا! کیا تم سردار ہو.... سردار کھلکھلا کر ہنستا ہے)

مرد عورت کو زبردستی کھینچتا ہے اور وہ چلاتی ہے۔ ایڈیپس مرد کو دھکا دیتے ہوئے عورت کے گرد اپنی گرفت مضبوط کر لیتا ہے۔

مرد دو تین قدم پیچھے گر جاتا ہے۔

اتنے میں سب نوجوان بھینسے کو درمیان چوکور جگہ میں رکھ دیتے ہیں۔ اور سب ایک قطار میں کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے ہیں۔

مرد ایک بڑا سا ڈنڈا اٹھا کر ایڈیپس پر حملہ کرتا ہے۔ ایڈیپس اپنی کلہاڑی سے وار روکتا ہے۔

دونوں لڑتے ہیں۔ حتےٰ کہ مرد تھک کر گر جاتا ہے۔ اور ایڈیپس دونوں

ہاتھوں سے کلہاڑی لہرا کر پوری طاقت سے وار کرتا ہے۔ وار کاری لگتا ہے۔ اور مرد ایک دلدوز چیخ کے ساتھ دم توڑ دیتا ہے۔ خون بہنے لگتا ہے۔

چند نوجوان مرد کی لاش کو اٹھا کر ہڈیوں کے ڈھیر میں پھینک دیتے ہیں۔

عورت:۔ (پکار اٹھتی ہے) اڈیپس سردار!

سب نوجوان قطار میں کھڑے ہو کر کلہاڑیاں اچھالتے ہوئے پکارتے ہیں۔

"اڈیپس سردار"

اڈیپس اور عورت خوشی سے بغلگیر ہوتے ہیں اور ناچتے ہوئے گاتے ہوئے بھینسے کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں۔

باقی نوجوان بھی اپنی اپنی عورت کو لئے ہاتھوں میں چھریاں اور کلہاڑیاں تھامے گاتے اور ناچتے ہوئے بھینسے کے ارد گرد گھومتے ہیں۔

گانا:۔ جائیں گے سب جائیں گے

مل کر غار کو جائیں گے

غار کے باہر آگ جلاؤ

ناچیں گے ہم گائیں گے

صاف چٹانوں پر ہم ملکر

بھینسے بھون گے کھائیں گے

آہستہ آہستہ پردہ گرتا ہے۔ اور آخر میں حاضرین ایڈیپس اور وہی عورت گانے کا بند گاتے ہوئے ناچتے ہوئے اور بھینسے کا گوشت کھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

پردہ

دُوسرا سین

وقت:۔ آجکل کا زمانہ جب سماج تہذیب و تمدن کے موجودہ دور تک پہنچ چکا ہے۔

مقام:۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں کوئی مقام جہاں سرمایہ داران نظام مروج ہو۔

پس منظر:۔ پردہ آہستہ آہستہ اُٹھتا ہے۔ اور حاضرین کی نگاہیں چمکتے ہُوئے فرش پر پڑتی ہیں۔ پردہ اُٹھنے پر ایک ڈائننگ روم (کھانے کے کمرہ) دکھائی دیتا ہے۔ جو جدید قسم کے تمام لوازمات سے سجا ہُوا ہے۔ کھانا کھانے کی کرسیاں۔ میز۔ چمچ۔ چھری۔ کانٹے بہترین قسم کے چینی کے برتن۔ ڈنر سیٹ۔ چھوٹے بڑے بلوریں۔ گلاس۔ چمکتی ہوئی نمکدانیاں۔ صاف ستھرے۔ نیپ کن وغیرہ کمرے کے ایک کونے میں چھوٹی میز ہے۔ جس پر شراب سے بھری ہوئی شفاف صراحیاں اور شراب

پینے کے چھوٹے چھوٹے گلاس ترتیب سے رکھے ہیں۔

ڈائننگ روم کا ایک دروازہ کسی دوسرے کمرے میں کھلتا ہے۔ جسمیں سے نہایت مدھم اور دھیمی سروں میں ریڈیو پہ کلارنٹ کا ترنم کمرے کی فضا میں موسیقی کی لہریں بکھیر رہا ہے۔

ساتھ کے کمرے کی طرف سے ذرا دور سے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ کچھ بھنبھناہٹ۔ بڑھتے ہوئے قدم۔ پھر دو انسانی آوازیں اور اُن کے الفاظ ڈائننگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔

ایک آواز:۔ تم اس بات کو نہیں سمجھتے۔ کہ اگر میں نے اُس وقت یہ سمجھوتا نہ کیا ہوتا تو میری سب ملوں میں ہڑتال ہو جاتی۔ پچاس ہزار کی بجائے مجھے پانچ لاکھ لوگوں سے نپٹنا پڑتا۔

دُوسری آواز:۔ اس کے برعکس میری رائے میں اس سمجھوتے سے دوسری ملوں میں ہڑتال کے پھیل جانے کا اندیشہ اور بھی بڑھ گیا ہے۔

دو انسان کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ مرد۔ اور۔ ایڈ ہیس ایک کی عمر ۵۰-۵۵ برس کے قریب اور دوسرے کی ۲۵ برس کے لگ بھگ دونوں بہترین قسم کے ڈنر سوٹ میں ملبوس ہیں۔

مرد شراب کی میز کے نزدیک پہنچتے ہوئے صراحی سے دو گلاسوں میں شراب اُنڈیلتا ہے۔ اور ایک گلاس ایڈ ہیس کی طرف بڑھاتے

ہوئے۔

مرد:۔ تمہاری رائے غلط ہے۔

شراب کا گھونٹ پیتا ہے اور کرسی پہ بیٹھ جاتا ہے۔

ایڈیپس (شراب کا گلاس تھامتے ہوئے) لیکن ڈیڈی یہ تو سوچئے کہ اس سمجھوتے کا اثر ہماری دوسری ملوں کے مزدوروں پہ کیا ہوگا۔ اس سمجھوتے سے اُن کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ اور وہ بھی ہڑتال کا حربہ استعمال کر سکتے ہیں۔

مرد:۔ میں ان کے لئے یہ ناممکن بنا دوں گا۔ میں ایسے قانون پاس کرا سکتا ہوں۔ جن سے ہڑتال کرنا ممنوع قرار دیا جائے۔

ایڈیپس:۔ (شراب کی چسکی بھرتے ہوئے کرسی کے بازو پہ بیٹھ جاتا ہے) لیکن تب بھی ہڑتالیں ہوں گی۔ (گفتگو کے دوران میں دونوں گھونٹ گھونٹ شراب پیتے ہیں)

مرد:۔ اُس صورت میں وہ ہڑتالیں ناجائز ہوں گی۔ اور حکومت قانون کی خلاف ورزی برداشت نہیں کر سکتی۔

ایڈیپس:۔ ناجائز ہڑتالیں زیادہ خطرناک ہو سکتی ہیں۔ پانچ لاکھ انسانوں کو جب اپنی طاقت کا احساس ہو جائے تو وہ حکومت کی پروا نہیں کرتے۔

مرد۔ انہیں پروا کرنی پڑے گی۔ ورنہ وہ فاقوں مار دیئے جائیں گے۔

ایڈیپس:۔ اس بات کو حکومت بھی گوارا نہ کر سکے گی۔

مرد :۔ حکومت ہماری ہے اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ہم سب کچھ گوارا کر سکتے ہیں۔

ایڈیپس :۔ پانچ لاکھ انسان ایسی حکومت کو بھی پلٹ سکتے ہیں۔

مرد :۔ ہمارے پاس بڑے ملک اور اعلیٰ قسم کے ہتھیار ہیں۔ ہم اُن کی اجتماعی طاقت کو گھنٹوں میں کچل سکتے ہیں۔

ایڈیپس :۔ لیکن ہماری ملیں بند ہو جائیں گی۔ اور اگر کسی دوسرے مل مالک نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے نہیں زیادہ مراعات دے دیں تو ہماری طاقت ختم ہو جائے گی۔

مرد :۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

ایڈیپس :۔ ہو سکتا ہے۔ بھوکے اور ہڑتالی مزدور خریدے جا سکتے ہیں جب ہمارے مقابلے میں ان کو خریدنے کے لئے بہتر و تازہ دماغ رکھنے والے انسان موجود ہوں۔

مرد :۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ ہماری ملوں میں کبھی ہڑتال نہ ہو گی اور نہ ہی اس قسم کے سمجھوتے کی نوبت آئے گی۔

(شراب کے گلاس خالی ہو جاتے ہیں جنہیں دونوں صراحی سے بھر لیتے ہیں)

ایڈیپس :۔ لیکن ڈیڈی آپ مجبور کر دیئے جائیں گے۔

مرد :۔ تم یہ کیا کہہ رہے ہو ایڈیپس! میں مجبور کر دیا جاؤں گا؟ (جوش سے) میں جس کی اس ملک میں سب سے زیادہ ملیں ہیں۔ جو پانچ لاکھ انسانوں

پر حکومت کرتا ہے۔ جو اس ملک کی حکومت کو خرید سکتا ہے۔ میں مجبور کر دیا جاؤں گا! ہا! ہا! ہا! اگر اب ان لوگوں نے مجھے ہڑتال کی دھمکی دی تو میں ان کو فاقوں مار دوں گا۔ ان کے گھر جلا دوں گا۔ گولیوں کی بوچھاڑ سے ان کے سینے چھلنی کرا دوں گا۔

(شراب کا دوسرا گلاس ایک دم ختم کر کے اُسے زور سے میز پر پٹک دیتا ہے)

ایڈیپس :۔ جوش میں آنے کی کوئی بات نہیں ڈیڈی۔ ذرا غور کیجئے۔ کہ اگر آپ کی بات بھی مان لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ یہ سب کچھ کرا سکتے تھے تو ایسا ذلت آمیز سمجھوتا کیوں؟ آخر کیوں؟

مرد :۔ اس بار انہوں نے اچانک حملہ کیا۔ لیکن اب میں چوکنا ہو چکا ہوں

(شراب کا تیسرا گلاس بھرتا ہے)

ایڈیپس :۔ میں آپ کو آگاہ کئے دیتا ہوں کہ آپ اس دھوکے میں نہ رہیئے۔ اب ان کتوں کے جبڑوں میں خون لگ چکا۔ اب یہ ہماری چالیں سمجھتے ہیں۔

مرد :۔ لیکن ان کے لیڈر اب بھی خریدے جا سکتے ہیں۔

ایڈیپس :۔ یہی تو میں کہتا ہوں کہ باوجود ایسے موزوں حالات کے آپکو اس مرحلے پر شکست ہوئی۔ اگر آپ نے ذرا بھی ہوشیاری سے کام لیا ہوتا تو آج ہم اسطرح رسوا نہ ہوتے۔

مرد :۔ اسمیں رسوائی کی کونسی بات ہے۔ آجکل تو ہر ایک بل میں ہڑتال

ہو رہی ہے۔

ایڈیپس شراب سے تیسری بار گلاس بھرتا ہے۔ اور پھر ایک چسکی بھرتے ہوئے۔

ایڈیپس:۔ لیکن ہر مل میں ایسے سمجھوتے تو نہیں ہوتے" الوا" کے ڈیڈی کے کارخانے میں بھی ہڑتال ہوئی تھی۔ وہ دن سے زیادہ نہ چل سکی۔ اور پھر الوا کے باپ نے اُن کا ایک بھی مطالبہ منظور نہ کیا تھا۔ میں اب الوا کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا۔

مرد:۔ الوا کا باپ ایک مل کا مالک ہے۔ اور تمہیں یاد ہوگا۔ کہ اسی لئے میں تمہاری اور الوا کی منگنی پر خوش نہ تھا۔

ایڈیپس:۔ (ذرا تیزی سے) ایک مل ہو یا ہمیں ملیں۔ ہڑتال کا سوال سب جگہ ایک جیسا ہے۔

مرد:۔ یہ تمہاری بھول ہے بیٹا! ایک مل کا مالک جو طریقے استعمال کر سکتا ہے وہ ہم نہیں کر سکتے۔

گلاس پھر خالی ہو جاتے ہیں۔ پھر صراحی چھلکتی ہے۔ اور نئے جام بھرے جاتے ہیں۔

ایڈیپس:۔ یہ بات میں نہیں مانتا۔ اگر ایک مل کا مالک اتنی آسانی سے مزدوروں پر فتح حاصل کر سکتا ہے۔ تو ہماری ملوں میں ہڑتال ہونی ہی نہیں چاہیئے۔

مرد:۔ اب ایسا ہی ہوگا۔

ایڈیپس :۔ اب یہ بہت مشکل ہے۔ بھلا سوچئے تو اس سے پہلے ہماری ملوں میں کبھی ہڑتال نہ ہوئی تھی۔ آج کیوں ہوئی۔

مرد :۔ تم ہی بتاؤ۔

ایڈیپس :۔ آپ کی بد انتظامی۔

مرد :۔ (حیرانی اور غصّے سے) کیا کہا؟

ایڈیپس (جوش سے) ہاں ہاں! آپ کی بد انتظامی کی وجہ سے اس ذلت آمیز اور موافق سمجھوتے کی تمام تر ذمہ داری آپ پہ ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب آپکی غلطی نہیں۔ یہ آپ کی عمر کا تقاضہ ہے۔

مرد : (غصّے سے سرخ ہو کر) تم یہ جرأت کیسے......!

اس اثنا میں عورت کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ اور کلارنٹ کی موسیقی میں آہستہ آہستہ حسن تحلیل ہوتا ہے۔ عورت چمکتے ہوئے خوبصورت بھڑکیلے نائلونی لباس پہنے ہوئے ہے۔ جس میں اسکی ادھیڑ عمر کے سب زاویے عریاں ہو رہے ہیں۔ اُسے دیکھکر مرد چپ ہو جاتا ہے۔

عورت (مرد کی طرف دیکھتے ہو) ہیلو ڈارلنگ۔ (پھر ایڈیپس سے مخاطب ہو کر) ہیلو ڈیر۔

ایڈیپس (اٹھکر) ہیلو ممی۔

مرد :۔ (ابھی تک غصّے کے آثار اُسکی ادا سے ظاہر ہو رہے ہیں) ہیلو ڈارلنگ۔

عورت (مرد سے) کیا بات ہے۔ ڈارلنگ۔ آج کس سے جھگڑے ہو؟

مرد (نرمی سے) کچھ بھی تو نہیں۔ چلو ڈنر کو دیر ہو رہی ہے۔ اور مجھے بھوک لگی ہے۔

عورت (مسکراتے ہوئے) ہوں اچھی۔

ایڈیپس۔ عورت۔ مرد۔ تینوں کھانے کی میز کی طرف بڑھتے ہیں۔ ایڈیپس اور مرد کے قدموں میں کچھ لڑکھڑاہٹ ہے۔ تینوں اس ترتیب سے بیٹھتے ہیں کہ عورت ایڈیپس اور مرد کے درمیان کی کرسی پر ہے۔ تینوں ایک ایک نیپ کن اپنی اپنی ٹانگوں پہ پھیلا لیتے ہیں۔

عورت (بلند آواز سے) رانجو! (وقفہ۔ خاموشی)

رانجو خاموشی سے کھانے کی اشیاء کی ٹرے لیکر کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ اور باری باری پلیٹ بڑھاتا ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی پلیٹ میں ایک ایک ٹکڑا رکھ لیتا ہے تینوں چھری کانٹوں سے کھاتے ہیں۔ رانجو واپس چلا جاتا ہے۔ (چھری کانٹوں پر closeup effect ہونا چاہیئے)

لمحہ بھر کے لئے خاموشی

ایڈیپس:۔ ممی! آج اس ڈریس میں تو تم ایوا کو بھی مات کر رہی ہو۔

عورت:۔ سچ!

ایڈیپس:۔ کیوں ڈیڈی آپ کا کیا خیال ہے؟

مرد:۔ ٹھیک ہے لیکن جب تمہاری ممی بھی ایوا کی عمر کی تھی۔ تو اور بات تھی۔

عورت:۔ آج آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔

مرد :۔ (مسکراتے ہوئے) کیوں ؟ میں نے کوئی جھوٹ بات تو نہیں کہی۔

عورت :۔ لیکن آپ نے پہلے تو کبھی ایسی بات نہیں کہی۔

مرد :۔ پہلے کبھی ایسا موقع ہی پیدا نہ ہوا تھا۔

عورت :۔ اور آج کیا خاص بات ہوئی ہے۔

مرد منہ میں لقمہ ڈالتے ہوئے خاموش رہتا ہے۔

عورت :۔ میں پوچھ رہی تھی آج اس بات کا موقع کیسے پیدا ہوا۔

مرد :۔ ایڈیپس سے ہی پوچھ لو۔

سب خاموش رہتے ہیں۔

رانجو۔ داخل ہوتا ہے اور سب کو بھُنا ہوا مرغ پیش کرتا ہے۔ پھر چھُری کانٹے چلتے ہیں۔ رانجو واپس چلا جاتا ہے۔

عورت :۔ کیا بات ہے۔ ایڈیپس۔ جو ڈیڈی تم پر بگڑ رہے ہیں۔

ایڈیپس :۔ مجھے کیا علم۔

عورت :۔ بتا دو نا بیٹا۔

ایڈیپس :۔ (معصومانہ انداز سے) کچھ بھی تو نہیں ممی۔ کارخانے کی ہڑتال پر بات چل رہی تھی تو میں نے یہ کہا کہ ہڑتال ڈیڈی کی لاپرواہی اور ناقص انتظام کی وجہ سے ہوئی۔ جس سے ڈیڈی کو یہ سمجھوتا کرنا پڑا۔

مرد :۔ اور غلطیاں کرنا اب میری عمر کا تقاضا ہے۔

عورت :۔ اس میں تو بگڑنے کی کوئی بات نہیں۔ سچ ہے کہ عمر کے بڑھ جانے سے انسان کے دماغ میں تر و تازگی نہیں رہتی۔ کام کرتے کرتے

دماغ بھی تھک جاتا ہے۔ اور پھر غلطیاں تھکے ہوئے دماغ سے ہی تو ہوتی ہیں۔

مرد:۔ میں نے بھی تو یہی کہا تھا کہ جب تم ایوا کی عمر کی تھیں تو اور بات تھی۔

عورت: لیکن میری زندگی تمہاری طرح مسلسل محنت اور مشقت کی زندگی نہ تھی اس لئے ایڈمیس کا کہنا بجا ہے کہ مجھ میں ابھی ایوا کی طرح نکھرے ہوئے پھولوں کی تروتازگی موجود ہے۔

مرد:۔ اور مجھ میں کس بات کی کمی ہے۔

ایڈمیس:۔ (ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بڑا سا لقمہ کھاتا ہے۔)

عورت:۔ بھلا تم ہی بتاؤ جب تم جوان تھے۔ تو ملوں میں کیوں ہڑتال نہ ہوتی تھی اور اب کیوں ہونے لگی۔

مرد:۔ تب زمانہ اور تھا۔

ایڈمیس:۔ نہیں ڈیڈی۔ اب بھی وہی زمانہ ہے (عزم کیساتھ) اور خاندانی عزت کو برقرار رکھنے کیلئے میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ اب آپ آرام کی زندگی بسر کریں۔ اور ملوں کا انتظام مجھے سونپ دیں میں آپکو دکھادوں گا۔ کہ یہ زمانے کا قصور نہیں بلکہ بڑھاپے کا قصور ہے۔

مرد:۔ (عورت سے (چڑ کر) غصے اور شکایت آمیز لہجے میں) یہ میری بے عزتی! اور سنو گی۔

عورت:۔ جو بات سچ ہے وہ ضرور سنوں گی۔ تمہارے کارخانوں میں جو مشینیں گھس جاتی ہیں۔ تو کیا تم ان سے کام لیتے ہو۔ مشینوں کی طرح انسان بھی جب گھس جاتے ہیں تو وہ کام کرنے کے قابل نہیں رہتے۔

مرد:۔ (جوش سے کھڑا ہو جاتا ہے) کون کہتا ہے کہ میں گھسا ہوا انسان ہوں۔

(شراب کی میز کے پاس جا کر گلاس میں شراب انڈیلتا ہے اُسے ایکدم پی کر دوسرا گلاس بھرتا ہے۔ جیسے تھامے لڑکھڑاتا ہُوا پھر میز کے قریب آتا ہے۔)

میں پوچھتا ہوں کون مجھے بوڑھا کہہ سکتا ہے؟

عورت :۔ تم دنیا کی زبان بند نہیں کر سکتے دنیا تو جو دیکھے گی وہی کہے گی۔

مرد :۔ یہ غلط ہے صرف تمہیں دونوں نے میرے خلاف سازش کر رکھی ہے۔ اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں ایڈیپس کو بے دخل کر دوں گا۔ یہ سب ملیں میری ہیں۔ میری شب و روز کی محنت کا نتیجہ اور جب تک میں زندہ ہوں۔ اِن میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔

عورت :۔ (نرمی سے) ضد نہ کرو۔ ڈارلنگ اپنی ساری عمر کی کمائی کو تباہ نہ کرو۔ اُس سے پورا آرام لو۔ اور اب تمہاری عمر بھی آرام کرنے کی ہے۔ ایڈیپس خدا کے فضل سے جوان ہے۔ وہ قابل ہے اُس نے تعلیم پائی ہے اُس کا دماغ ابھی تر و تازہ ہے۔ وہ ملوں کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے کر سکے گا۔ اُسے ایک موقعہ دو۔ میں تمہیں ....

مرد (بات کاٹ کر) چپ رہو۔ میں یہ بکواس برداشت نہیں کر سکتا۔ تم میری عورت ہو۔ اور میرے ہی خلاف بکتی ہے۔

ایڈیپس :۔ آپ میرے سامنے ماں کی توہین نہیں کر سکتے۔

مرد :۔ (گرجتے ہوئے) بکو مت۔

ایڈیپس :۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میں ممی کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔

مرد:۔ تم کون ہو؟ (جوشِ شراب اور غصہ سے پاگل ہو کر) میری اولاد ہو کر میرا ہی مقابلہ کرتے ہو۔ آؤ تو میں آج تمہاری جوانی دیکھوں۔

(ایڈیپس کی طرف جھپٹتا ہے)

(عورت اور ایڈیپس اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

عورت:۔ (مرد کے ہاتھ پکڑ کر) کیا کرتے ہو؟

مرد:۔ (عورت کو دھکیلتے ہوئے) ہٹ جاؤ۔

عورت کرسی سے الٹتے ہوئے فرش پر جا گرتی ہے۔ مرد آگے بڑھ کر شراب کا خالی گلاس ایڈیپس کے سر پر مارتا ہے۔ ایڈیپس کے سر سے خون جاری ہو جاتا ہے۔

اس اثناء میں ایڈیپس بھی مرد کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مرد ایڈیپس پر جھپٹتا ہے لیکن ایڈیپس مرد کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ کر زور سے دھکا دیتا ہے۔ مرد لڑھکتا ہوا سامنے کی دیوار سے جا ٹکراتا ہے۔

اس کے سر سے خون بہنے لگتا ہے۔ اور وہ لڑکھڑاتا ہوا فرش پر گر جاتا ہے اتنی دیر میں عورت پھر کھڑی ہو جاتی ہے اور ایڈیپس کو اپنے بازوؤں میں لیکر نیپکن سے اُسکے سر کا خون صاف کرتی ہے۔

ایک لمحہ دونوں اسی طرح کھڑے رہتے ہیں۔

آہستہ آہستہ پردہ گرتا ہے

(دہلی ۱۹۲۲ء)

…بخت پرنٹر و پبلشر نے … پریس لاہور میں چھپوا کر رہنما بکڈپو لاہور سے شائع کیا۔